مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے؟

رشد وہدایت کے منار

جن سے میں نے کسبِ فیض کیا

رشحاتِ قلم

مفکرِ ملت، فخرِ گجرات حضرت اقدس
مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

ترتیب وحواشی
اسماعیل کوثر کوساڑی
خادم جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

باہتمام
عبدالرحمٰن بن یوسف پٹیل
خادم جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

ناشر
مجلسِ معارف کاپودرا، ضلع بھروچ، گجرات

تفصیلات

نام کتاب	:	رشد وہدایت کے منار
افادات	:	مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دام ظلہٗ
ترتیب وحواشی	:	اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی
باہتمام	:	عبدالرحمٰن پٹیل کاپودروی نبیرۂ حضرت مفکرملت دام ظلہٗ
زیر انتظام	:	حافظ ابراہیم صاحب پٹیل کاپودروی
دوسرا ایڈیشن	:	جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ مطابق مارچ ۲۰۱۶ء
کمپوزنگ وسیٹنگ	:	محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
صفحات	:	۲۳۲
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	مجلس معارف کاپودرا، ضلع بھروچ، گجرات
قیمت	:	۸۰/روپیہ

کتاب ملنے کے پتے

☆ مجلس معارف کاپودرا، ضلع بھروچ، گجرات 393001　09824112521
☆ مولانا عبدالرحمٰن صاحب پٹیل کاپودروی جامعہ اکل کوا　09687750138
*Hafez Ibrahim Patel　Tel. 00447973473392
27 Tudor Rd.　07878266307
Eastham
London, E6 1DP (UK)

میں کہ مری نوا میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
(اقبال)

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

فہرست رجالِ حواشی

☆☆☆☆☆

عرضِ ناشر

الحمد للّٰہ علیٰ إحسانہ، و الشکر علی مزید إنعامہٖ، و الصلاۃ و السلام علی حبیبہ و صحبہ. أمابعد!

سالوں سے میری اور برادرِ بزرگ مولانا محمد صاحب مقیم حال ملاوی کی یہ تمنا رہی کہ حضرت قبلہ والد صاحب کے اساتذہ ومشائخ کا تذکرہ مرتب ہو جائے، اس خواہش کی تکمیل کے لیے حضرت والد صاحب مضامین تحریر فرماتے رہے، اور یہ تحریریں گاہے گاہے مشہور ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' مانک مئو میں نشر ہوتی رہیں۔اب یہ نگارشات مولانا اسماعیل کوثر کوساڑی فلاحی وعزیز برادرزادہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی مساعئ جمیلہ کی برکت سے منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو دارین کی حقیقی مسرتوں سے شادکام فرمائے اور مزید علمی وعملی ترقیات سے نوازے۔آمین!

نیز ہم بہت ہی شکرگزار ہیں جناب حاجی شبیر احمد صاحب لولات مقیم حال زامبیا ومُجاز پیرطریقت حضرت اقدس مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کے جنھوں نے ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی اپنا قیمتی تعاون پیش فرماکر یہ قیمتی سوغات امت کے سامنے پیش کی، اور ہم سب کے لیے استفادے کو آسان فرمایا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر شکریہ ادا نہ کیا جاوے محترم جناب مولانا عمران صاحب فلاحی خانپوری ومولانا محمد مہر علی قاسمی دھنبادی مدظلہما کا کہ اول الذکر نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود مختلف مواقع پر علمی تعاون پیش فرمایا، اور ثانی الذکر نے کمپوزنگ کے مراحل کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

فجزاهم الله خيرا في الدارين!

نیز اللہ تعالیٰ برادرانِ گرامی مولانا محمد صاحب ومولانا اسماعیل پٹیل صاحب زیدمجدہم کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ اس سلسلے میں کافی دلچسپی لیتے رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو شرف قبول بخشے اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

(حافظ) احقر ابراہیم عفی عنہ (صاحب زیدمجدہم)
صاحبزادۂ گرامی حضرت اقدس مفکر ملت دام ظلہٗ
ومُجازِ صحبت حضرت اقدس مولانا محمد قمرالزماں صاحب دامت برکاتہم

مقدمہ

از

حضرت اقدس مولانا محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم
ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، خاتم النبيين، سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين.

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مزاج میں ایک یہ صفت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ جس کو اور جو دیکھتا ہے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کی اچھی بات کو اچھی محسوس کرتا ہے تو اس کو اپنانے کی اس میں رغبت ہوتی ہے۔ اور اس کی کسی بات کو بری محسوس کرتا ہے تو اس سے اپنے کو دور رکھنے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح انسانوں میں آپس کے ملنے جلنے سے عادتیں اور پسند کی باتیں منتقل ہوتی ہیں، اور اس طرح انسانوں کے طریقے اور عادتیں مشترک طریقے سے منتقل ہوتی ہیں۔

یہ ایسی صورتِ حال ہے کہ اس سے ایک دوسرے سے ملاقات وتعلقات کے اثر سے ان ملنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ممتاز اخلاق وصفات انسانوں میں انسانوں ہی کے ذریعہ منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ملاقات نہ ہوتو ان کے حالاتِ زندگی

ضبطِ تحریر میں لاکر ان کے پڑھنے والوں کو ان سے بڑی حد تک فائدہ پہنچتا ہے؛ اسی بنا پر مصنّفین بڑی شخصیت کی سوانح لکھ کر عام استفادے کے لیے اس فیضان کو ان تک پہنچاتے ہیں؛ چناں چہ شخصیات کے متعلق ان کے نقوشِ حیات سے فائدہ پہنچانے کے لیے مختلف مصنّفین نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی ''پرانے چراغ''، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی ''معاصرین'' اور ''وفیات'' نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب جس کا عنوان ہے ''رشد وہدایت کے منار جن سے میں نے کسبِ فیض کیا'' اس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ ایک فیض رساں کتاب ہے۔ یہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو صاحبِ مضامین نے اپنے اساتذہ اور مربیوں اور ان عالی قدر شخصیات سے متعلق تحریر کیے ہیں جن کی صحبت نے ان پر اثر ڈالا، ان میں بعض زیادہ معروف اور بعض کم معروف، بعض مقامی اور بعض بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیتیں بھی ہیں۔ ان میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہم کے نام خاص طور پر لیے جاسکتے ہیں۔ تقریباً پچاس علمی و دینی شخصیات کے تذکرہ پر مشتمل یہ کتاب ان بزرگوں کی صحبت کا قائم مقام ہوگی جن کا اس میں تذکرہ ہے۔ صاحبِ مضامین حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی علم ودین کی ایک بڑی ممتاز شخصیت ہیں، انہوں نے اپنے ملک کی بڑی علمی

و دینی شخصیتوں کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھایا ہے، ان کو خیال ہوا کہ وہ اس فائدہ کو دوسروں تک پہنچائیں؛ چناں چہ انہوں نے اپنے اساتذہ اور اہم شخصیتوں کے تذکرہ پر یہ کتاب مرتب کی، ان کا یہ عمل بڑا مفید عمل ہے کہ جن حضرات کو ایسی عظیم شخصیتوں کو دیکھنے اور سننے کا موقع نہیں ملا وہ مصنف کے توسط سے مذکورہ فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ مولانا دینی وعلمی حلقوں میں اپنی علمی حیثیت کی بنا پر معروف ہیں، انہوں نے ''دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر'' کی ایک مدت تک سرپرستی بھی فرمائی ہے، اور گجرات کی دوسری بڑی درسگاہ ''جامعہ ڈابھیل'' میں بھی خدمات پیش کی ہیں، اور باہری ملکوں میں بھی ان کا اچھا وقت گزرا ہے، اس لیے انہوں نے شخصیات سے استفادہ کے ساتھ اپنے تجربات سے بھی بڑا فائدہ اٹھایا ہے، وہ خود بلند پایہ حیثیت کے عالم اور اہم شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے، اور ان کے عمل کو مفید بنائے۔ امید ہے کہ اس کتاب سے علما اور طلبا کو خاص طور پر فائدہ پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ، رائے بریلی

۱۶/رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

۴/جولائی ۲۰۱۵ء

سخن ہائے گفتنی

الحمد لولیه و الصلاة علیٰ أهلها. أمابعد!

انسان جب بطنِ مادر سے اس دنیا میں آتا ہے تو اس کے پاس کوئی علم نہیں ہوتا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

’’**وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ**‘‘.

یہ عجیب بات ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا؛ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر علم کے ذرائع پیدا فرمائے ہیں، ’’**السمع**‘‘ یعنی سماعت دی جس سے وہ سنتا ہے، ’’**البصر**‘‘ یعنی بصارت دی جس سے وہ دیکھتا ہے، ’’**والأفئدة**‘‘ یعنی دل عطا فرمایا جس سے وہ چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔

علمائے علم النفس کہتے ہیں کہ بالکل چھوٹے سے بچے کے اندر بھی شعور ہوتا ہے جس سے وہ اچھی اور بری حرکت کا اثر لیتا ہے؛ تو دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان ذرائع کو استعمال کرنا وہ شروع کرتا ہے، اب اس کا سب سے پہلا مدرسہ اس کے ماں باپ کی گود ہے، والدین، بھائی، بہن، اور افرادِ خانہ جو کچھ بولتے ہیں، یا کرتے ہیں، وہ سب کچھ محفوظ کرتا ہے۔ تھوڑی عمر بڑھتی ہے تو محلے میں جا کر بچوں

کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے، اور اُن سے نئے نئے الفاظ سیکھتا ہے، یہ تعلیم کا دوسرا مرحلہ ہے۔ پھر جب وہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو اس کے والدین اس کو کسی مکتب یا مدرسے میں داخل کرتے ہیں تو وہاں اس کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بڑے اداروں میں جاتا ہے، علما سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، ان کے ذریعہ اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور عقلیت پختہ ہوتی ہے، پھر آدمی جتنا متیقظ ہوتا ہے اسی قدر غور وفکر کرتا ہے اور جلد اثر لیتا ہے، مثلاً یہاں اس واقعے کا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ راقم کو اپنے سفرِ ’’قطر‘‘ کے دوران جمعہ کی نماز کے لیے ایک مسجد جانا ہوا، اس موقع پر امام صاحب نے لمبا خطبہ پیش فرمایا، اور اخیر میں فرمایا: ’’**وللحديث بقية، وإنشاء الله سأقدم في الجمعة القادمة بشرط البقاء واللقاء**‘‘ ان کا یہ خوب صورت جملہ مجھے بہت اچھا لگا، اور فوراً میں نے اسے اپنے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ کرلیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اس موقعے پر مجھے یاد آرہا ہے کہ بمبئی میں مصریوں کا ’’**المركز الثقافي المصري**‘‘ تھا، ترکیسر کے قیام کے زمانے میں ایک دن بمبئی جانا ہوا، تو میں نے اپنے پاس کافی وقت دیکھ کر ’’**المركز الثقافي**‘‘ کا رخ کیا، وہاں پہنچ کر ’’غرفة الاستقبال‘‘ میں داخل ہوا، جہاں ایک مصری خاتون تشریف رکھتی تھیں، میں نے اُن سے کہا ’’**السلام عليكم! أنا من طلبة العلم، جئتُ هنا لأستفيد من مكتبتكم**‘‘ انہوں نے فوراً کہا ’’**أهلاً و سهلاً**‘‘ اور ایک نوکر کو آواز دی اور کہا ’’**محمد! تعال**‘‘ یہ سن کر وہ جلدی سے آیا، انہوں نے چابی نکالی، محمد کو دی اور کہا ’’**خذ المفتاح و فرّج باب المكتبة**‘‘ یہ سن کر میں سوچنے لگا،

اوہو! ہم نے تو پہلے کبھی یہ تعبیر نہیں سنی تھی، ہم تو ''فرِّج'' کی جگہ ''اِفْتَح'' ہی بولتے چلے آرہے ہیں تو دیکھئے یہ علم میں اضافہ ہوا۔

مختصر یہ کہ انسان اپنی علمی زندگی میں کتنے مراحل سے گزرتا ہے تب جاکر اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہ علمائے کرام کا مختصر تذکرہ میں نے اسی غرض سے تحریر کیا ہے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ جب تک آدمی صدہا اہلِ علم سے ملاقات نہ کرے اور اُن کے علوم سے مستفید نہ ہو وہاں تک اس کے سامنے علمی آفاق روشن نہیں ہوتے، اور نہ اسے علمی بلوغ حاصل ہو پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے محدثین قریہ قریہ، گلی گلی چکر لگاتے، صحرا نوردی کرتے، ہزاروں میل کے اسفار کرکے ایک ایک حدیث کو حاصل کرتے۔ اسی لیے ان کے مشائخ کی فہرست پر جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو وہ سیکڑوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ امیر المؤمنین فی الحدیث فی العالم امامنا محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ نے ایک ہزار اَسّی علما سے کسب فیض فرمایا۔ اور دور کیوں جائیے! خود ہمارے ملک کے جلیل القدر عالم، فاتحِ کشمیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے چودہ سو علما و مشائخ سے اخذِ فیض فرمایا۔ تقریباً یہی حال تمام علمائے سلف کا تھا؛ اسی وجہ سے اگر انہوں نے ایک حدیث بھی کسی سے حاصل کی تھی تو اسے اپنے مشائخ کی فہرست میں شمار فرمایا۔

راقم نے جن علما و مشائخ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی اور اُن سے استفادہ کا زرّیں موقع میسر ہوا وہ ایک بڑی تعداد میں ہیں، جن میں عرب وعجم کے ممتاز و قابلِ فخر علما بھی ہیں، اور ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ میری دلی خواہش ہے

کہ اُن کا مختصر تذکرہ کرکے ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کروں؛ اسی سلسلے میں یہ مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا اور ہمت نے یاوری کی تو کوشش کروں گا کہ ان کا سرسری تذکرہ ہی کر دیا جائے۔

بہر حال سردست اسی پر اکتفا کرتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے یہ مجموعہ پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

یہ تحریریں وقتاً فوقتاً حسبِ موقع حوالۂ قرطاس ہوتی رہیں، اور مولانا محمد ناظم صاحب ندوی مؤسس دار العلوم مانک مئو اپنے مؤقر ماہنامے ''حرا کا پیغام'' میں اُنھیں شائع فرماتے رہے۔ اب اُنھی کو نظرِ ثانی اور مزید اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو بھی اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

اس موقعے پر میں اپنے ان دونوں عزیز (مولوی عبدالرحمٰن و مولوی اسماعیل صاحبان) کا شکر گزار ہوں کہ ان کی مساعی سے یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔ نیز بہت ہی شکر گزار ہوں جناب حاجی شبیر احمد صاحب لولات کا پودروی زید مجدہم/مقیم حال 'زامبیا' کا کہ جنھوں نے اپنی قدیم روایات کے مطابق اس کتاب کی طباعت میں بھی اپنا قیمتی تعاون پیش فرمایا۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت بخشے اور مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

فتحِ باب

اس ناچیز کی ولادت ''برما'' کے شہر ہیہو (Heho) میں ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ میں ہوئی۔ والد مرحوم عرصے سے ''برما'' میں مقیم تھے اور تجارت کرتے تھے؛ مگر بعض حالات کے سبب ۱۹۳۵ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے تو ہم سب بھائی بہن بھی ہندوستان آگئے۔ ۱۹۳۷ء میں مجھے دینی مکتب اور گاؤں کے مقامی سرکاری اسکول میں داخل کردیا گیا۔ ۴۴، ۱۹۴۵ء تک ''کاپودرا'' تعلقہ انکلیشور میں قرآن مجید، ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم مکمل کرلی اور سرکاری اسکول میں درجۂ پنجم تک تعلیم مکمل کرکے ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں فارسی و عربی تعلیم کے لیے داخل کردیا گیا۔ درمیان میں کچھ مدت '' دارالعلوم دیوبند'' جاکر ''کنزالدقائق'' وغیرہ کتابیں پڑھیں؛ مگر صحت کی خرابی کے سبب پھر گجرات واپس آکر ''جامعہ ڈابھیل'' میں عالمیت کا کورس مکمل کیا۔ رسمی فراغت کے بعد ''مجلسِ خدام الدین'' سملک ڈابھیل اور ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۹، ۶۰ء میں حضرت مولانا اسماعیل گارڈیؒ کے فرزندوں کے اتالیق کی حیثیت سے دو سال ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام رہا، اور اس موقعے کو غنیمت جان کر وہاں کے جلیل القدر اساتذہ اور سہارن پور، گنگوہ اور جلال آباد کے مشائخ سے استفادہ کرتا رہا۔ ۱۹۶۰ء

کے اواخر میں پھر ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' کے مہتمم صاحب مولانا محمد سعید بزرگؒ کی دعوت پر ''جامعہ'' میں تنظیمی اور تعلیمی کام پر مامور ہوا۔ ۱۹۶۵ء کے اواخر تک قیام کے بعد مولانا غلام محمد نور گتؒ (۱) اور اہالیانِ ترکیسر کی پُرخلوص دعوت پر ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کی ملازمت قبول کرلی۔

اللہ تعالیٰ نے اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے مسلسل ۲۷ سال تک کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ ان ۲۷/سالوں میں تدریس بھی کی اور تعلیمی نگرانی بھی۔ ''دارالعلوم'' کے انتظامی امور کی ذمے داری بہت کم عمری میں یعنی ۳۳ سال کی عمر میں سنبھالنے کی نوبت آئی؛ اس لیے بار بار اساتذہ اور اپنے اکابرین کی خدمت میں حاضری دے کر مشورہ کرتا اور اُن ہی کی رہنمائی میں ٹوٹی پھوٹی خدمت انجام دیتا رہا، اللہ تعالیٰ قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کے مقدر میں مختلف ملکوں کے اسفار بھی لکھ دیے تھے؛ اس لیے ملک اور بیرونِ ملک اسفار کا سلسلہ جاری رہا۔ مدارس کا سفر، تعلیمی

---

(۱) **حضرت مولانا غلام محمد نور گت صاحب ترکیسریؒ:** فخرِ ترکیسر، فاضل جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، مہتممِ اول دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، ایڈیٹر ماہنامہ ''تبلیغ'' ترکیسر، بانی وسرپرست مدرسہ تجوید القرآن نور نگر کیم چوراہا اور رکنِ شوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ۔ آپ کا شمار گجرات کے فعّال ترین علما میں تھا، حضرت اقدس تھانویؒ کے دست گرفتہ تھے، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا علی میاں صاحبؒ جیسے چوٹی کے علما سے گہرے تعلقات تھے۔ کروڈ اور جھرنا جیسے کوردہ علاقوں میں غریب' نادار اور یتیم بچوں کے لیے ''بچوں کا گھر'' کے نام سے متعدد ادارے و مکاتب قائم فرمائے۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی مجلسِ مشاورت کی تاسیس میں بھی اہم کردار ادا فرمایا۔ افسوس! کہ گجرات کا یہ مایۂ ناز سپوت ۲۱/رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۶/مارچ ۱۹۹۳ء بروز سہ شنبہ تہجد' سحر و نماز فجر باجماعت سے فارغ ہوکر محوِ تلاوت تھا کہ داعئ اجل آپہنچا تو قبلہ رو ہوکر اپنے مالکِ حقیقی کے پاس افطاری کے مزے اڑانے چل دیے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

کانفرنسوں میں شرکت، ادبی انجمنوں میں حاضری، فراہمیٔ کتب کے سلسلے میں عرب ممالک کا سفر وغیرہ اسفار کے دوران بہت سے معروف اور وقت کے مقتدر علما کی زیارت وملاقات اوران سے استفادے کی سعادت ملی۔

ان روشن ضمیر بزرگوں اور اصحابِ علم وفکر علما کی ملاقات وصحبت سے راقم الحروف کو بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، اور زندگی کی راہ ملی۔ عرصے سے خیال آتا تھا کہ جن برگزیدہ شخصیات کو دیکھنے، یا ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے ان کو مختصراً لکھ کر جمع کرلوں تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ کسی فرد کی کردار سازی اور اس کی ذہنی وفکری تربیت میں کتنے علما کی محنتوں اور ان کی توجہات کا دخل ہوتا ہے۔

آئندہ صفحات میں اختصار کے ساتھ اِن ہی دَرَخشِندہ ستاروں کا ذکر کروں گا جن کی ضیا پاشیوں نے میرے قلب ودماغ کو متاثر کیا ہے۔ اُن میں میرے اساتذہ بھی ہیں اور وہ اکابرین بھی جن کی صرف زیارت ہوئی؛ البتہ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتا رہا، اور وہ مشائخِ عظام بھی جن کی صحبت میں کچھ لمحات گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سب ہی اکابر ومحسنین کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند مقامات نصیب فرمائے۔

محترم حافظ ابراہیم ملاّ عمرواڑیؒ

میرے سب سے پہلے استاذ ومربی جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل ملاّؒ ساکن عمرواڑہ ضلع بھروچ ہیں، جن کی شفقتوں نے میرے لیے قرآن مجید اور دینی تعلیم کے حصول کو آسان بنادیا۔ جید حافظ تھے، وقت کی پابندی اور تعلیمی کام میں محنت کرنے میں ممتاز تھے۔ ۵-۶ -سال کے بچوں کو جس شفقت ومحبت سے سبق پڑھاتے تھے اس کی مثال اس زمانے میں مشکل سے ملے گی۔ گاؤں کے مکتب میں تنِ تنہا مدرس تھے۔ ۳۵-۴۰/ بچوں کی مختلف جماعتوں کو تختی، پارۂ عمّ، قرآن مجید کی مختلف جماعتیں اور ساتھ ساتھ اردو قاعدہ، تعلیم الاسلام اور بہشتی ثمر کے اسباق پڑھاتے تھے۔ اب جب بھی ان کی خدمات کے بارے میں سوچتا ہوں تو حیرانی ہوتی ہے، اتنے طلبہ کو اتنے اسباق کس طرح پڑھاتے تھے اور پھر تعلیم میں کہیں کمزوری یا جھول نہیں ہوتا تھا! بااخلاق، خندہ مزاج وملنسار طبیعت پائی تھی۔ گاؤں میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ باوجود خوش خُلقی بچوں پر رعب کا یہ حال تھا کہ حافظ صاحب کے مسجد جانے یا آنے کے وقت محلے میں کھیلنے کی ہمت نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر کسی کو نازیبا حرکت کرتے دیکھ لیتے تو گوشمالی فرماتے تھے۔ سبق نہ یاد کرنے پر سزا بھی ہوتی تھی؛ مگر والدین کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔

اس حقیر کے ساتھ تو ان کا خصوصی شفقت کا معاملہ تھا۔ جب مکتب کا نصاب ختم ہو گیا تو خصوصی طور پر ''چہل سبق'' شروع کرائی جس سے فارسی زبان کی شُد بُد پیدا ہونے لگی۔ گاؤں کی مسجد کے دروازے پر ایک فارسی شعر کندہ تھا ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولین پرسش ز نماز بود

''چہل سبق'' شروع کرنے کے بعد جب اس کا ترجمہ سمجھنے لگا تو حماقت سے یہ سمجھنے لگا کہ گاؤں کے بچوں میں مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں، اور مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اپنے ساتھی بچوں سے اس کا ترجمہ پوچھتا تھا اور ان کے انکار پر پھر معنی سمجھاتا تھا اور اس طرح اپنی علمی برتری قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ **استغفر اللّٰہ !**

''جامعہ ڈابھیل'' میں داخلے کا امتحان دلانے اور کمرہ وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے حافظ صاحب بذاتِ خود تشریف لائے تھے؛ اس لیے کہ والد صاحبؒ اس زمانے میں کاٹھیاواڑ کے کسی تعلیمی ادارے میں ملازم ہو گئے تھے۔

''ڈابھیل'' کی تعلیم کے زمانے میں بھی حافظ صاحب حالات معلوم فرماتے رہتے اور مفید مشورے اور نصائح سے رہنمائی فرماتے رہتے۔ پچیس سال سے زائد خدمت کرنے کے بعد حافظ صاحب ''زامبیا'' تشریف لے گئے، اور کئی سال تعلیمی خدمت کرنے کے بعد ''لوساکا'' ہی میں وفات پائی۔

میری تدریس کے زمانے میں حرم شریف میں ملاقات ہوئی تو بہت ہی خوش ہوئے، بندے نے عرض کیا کہ حضرت کوئی بھی خدمت ہو بندے کو یاد فرمائیں۔

فرمانے لگے ارے بھائی! اب تو آپ ''جامعہ'' کے مدرس ہو گئے ہیں۔ بندے نے عرض کیا، حضرت! چاہے ''بخاری شریف'' بھی پڑھانے لگوں تب بھی آپ کا تو ادنیٰ شاگرد اور خادم ہوں، آپ کی محنت وشفقت نہ ہوتی تو بندہ معلوم نہیں کس حال میں ہوتا، یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیتے رہے۔ اور بندہ بھی بار بار ان کی جائے قیام پر حاضر ہو کر بازار کا چھوٹا موٹا کام کرتا رہا۔

اللہ تعالیٰ ان کی شفقتوں اور محنتوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

یوں تو جینے کو سبھی جیتے ہیں دنیا میں مگر
زندگی نام ہے احساس کی بیداری کا
(جگر)

مولانا احمد بن داؤد پانڈور کفلیتویؒ

(وفات: ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء)

’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل‘‘ میں درجۂ فارسی اول میں داخلہ ملا تو دو ماہ حضرت مولانا عبدالحی بسم اللہ ڈابھیلیؒ کے پاس اسباق شروع ہوئے؛ مگر عیدالاضحیٰ کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو فارسی درجۂ دوم سپرد ہوا، اور فارسی درجۂ اول کے لیے کفلیتہ (ضلع سورت) کے مولوی احمد بن داؤد پانڈور صاحب (۱) کا تقرر رہوا۔

ہم نے بقیہ پورا سال فارسی درجۂ اول کی تمام کتابیں انہیں سے پڑھیں۔ مولوی احمد داؤد صاحب محنتی اور خوش خُلق استاذ تھے۔ طلبہ ان کی نرم خوئی کا غلط فائدہ بھی اٹھاتے تھے؛ مگر پھر بھی موصوف افہام و تفہیم سے ہی اصلاح فرماتے تھے۔ درجے کے محنتی اور ذہین بچوں کو کبھی کبھی کمرے پر بلا کر ناشتہ کراتے اور ان کی ہر طرح ہمت افزائی فرماتے تھے۔

---

(۱) **مولانا احمد بن داؤد پانڈور کفلیتویؒ:** فاضل جامعہ ڈابھیل و تلمیذ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ ۱۳۵۹ھ میں جامعہ ڈابھیل سے فراغت حاصل کی، بعدۂ لاہور میں ایک سال قیام فرما کر حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں دورۂ تفسیر کیا۔ فراغت کے بعد اپنے آبائی پیشے تجارت میں مصروف رہے۔ درمیان میں ایک سال ’’جامعہ ڈابھیل‘‘ میں تدریسی خدمات انجام دیں، یہ آپ کی عنداللہ قبولیت کی علامت ہے کہ ایک ہی سالہ تدریس میں حضرت مفکر ملتؒ جیسے فیض رساں شاگرد نصیب ہوگئے۔ **وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء!** ...... مؤرخ گجرات مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ نے آپ کے دو تین رسائل کا بھی ذکر فرمایا ہے، افسوس! کہ ان کا سراغ نہیں لگ سکا۔

موصوف کا زمانۂ تدریس مختصر رہا۔ ڈابھیل کے بعد جزائرِ غرب الہند کے جزیرۂ باربادوز تشریف لے گئے اور دینی خدمات تا آخرِ حیات انجام دیتے رہے۔ باربادوز ہی میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ **رحمه الله رحمة واسعة !**

☆☆☆☆☆

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
کیا خبر تھی قربِ جاں بیٹھے ہیں وہ
مفت میں دونوں جہاں چھانے گئے

(نفیسؔ شاہ صاحبؒ)

حضرت مولانا عبدالحی بسم اللہ ڈابھیلیؒ

(ولادت: ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳؍دسمبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ
وفات: ۱۰؍رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۷؍جولائی ۱۹۷۶ء، بمقام ری یونین)

فارسی درجۂ اول میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل ہوئی اور دوسرے سال فارسی درجۂ دوم میں داخلہ ہوا۔ اس درجے میں ڈابھیل کے معروف اور ذی استعداد عالم حضرت مولانا عبدالحی بن مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ موصوف اردو، فارسی اور عربی کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، اردو فارسی کے ہزاروں شعر نوکِ زبان تھے، خصوصاً حکیمِ مشرق علامہ اقبالؒ کی کتابیں ذوق وشوق اور والہانہ انداز میں پڑھتے تھے۔

اردو کا خط بھی بہت صاف اور پاکیزہ تھا۔ جس طالبِ علم میں تھوڑی بہت بھی صلاحیت کا اندازہ لگاتے اس کو آگے بڑھانے اور اس کی علمی صلاحیتوں کو جلا دینے کی خصوصی محنت فرماتے تھے۔ انہی کے فیضِ صحبت اور توجہاتِ خصوصی سے بندے کو مطالعۂ کتب کا شوق پیدا ہوا۔ علامہ شبلیؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا آزادؒ وغیرہ اساطینِ علم وادب کے نام اور ان کی کتابوں سے واقفیت بھی آپ ہی کی مجلس سے حاصل ہوئی۔

مجلس کے آداب اور اردو زبان کی درستگی کا خاص خیال فرماتے۔ بچپن کا یہ واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ ایک مرتبہ مدرسے سے باہر راستے میں ملاقات ہوئی اور

آپ نے ناچیز سے کوئی سُوال کیا، جواب میں بندے کی زبان سے نکلا: تم نے کہا تھا، فوراً گوشمالی شروع ہوئی۔ ناچیز حیران تھا کہ یہ کس جرم کی سزا مل رہی ہے؛ مگر فوراً دل میں بات آئی کہ یہ لفظ ''تم نے'' پر گرفت ہے، فوراً ''آپ نے، آپ نے'' کہنا شروع کیا اور مولانا کا ہاتھ الگ ہوگیا۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھنے والے اور ہر طرح تربیت کرنے والے اساتذہ اب کم یاب ہوتے جارہے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ کے لیے دفتر کے سامنے ایک کمرہ مخصوص کر رکھا تھا- اب وہ کمرہ باقی نہیں رہا- جس میں مولانا کی کتابیں دو تین الماریوں میں سلیقے سے رکھی ہوتی تھیں؛ نیز چائے کا سامان بھی ہوتا۔ از راہِ عنایت حضرتؒ نے بندۂ حقیر کو اپنی خدمت کے لیے منتخب فرمایا۔ وقفے میں چائے بنانا، گیارہ بجے کے بعد برتن صاف کرنا اور کمرے کی صفائی بندے کے ذمہ کردی گئی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بندہ وہاں حاضر ہوتا، مولانا تو گاؤں میں گھر تشریف لے جاتے؛ اس لیے صفائی کے کام سے فارغ ہوکر مولانا کی کتابوں پر نظر ڈالتا۔ اتفاق سے علامہ شبلیؒ کی ''الفاروق'' پر نظر پڑی، الماری سے نکال کر ورق گردانی شروع کی تو اس کی سلیس عبارت نے دل موہ لیا اور اس کا باقاعدہ مطالعہ شروع کردیا۔

ظہر سے قبل کتاب اس کی جگہ پر رکھ کر مسجد چلا جاتا تھا۔ چند روز کے بعد حضرت مولانا رحمہ اللہ نے الماری کی طرف نظر فرما کر سُوال فرمایا: ان کتابوں کو کون نکالتا ہے؟ غالباً یہ سُوال اس لیے فرمایا کہ مولانا رحمہ اللہ جس سلیقے سے کتابیں رکھنے کے عادی تھے مجھ سے اس طرح رکھی نہیں گئی تھیں۔ بندے نے ڈرتے ڈرتے عرض

کیا: اور کوئی شخص تو کمرے میں نہیں آتا البتہ میں ہی کتاب نکال کر پڑھتا ہوں۔اس وقت عمر ۱۲ یا ۱۳ سال رہی ہوگی۔حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور مطالعہ کرتے رہنے کی تاکید فرمائی۔چند روز کے بعد جب حضرت کو علم ہوا کہ ''الفاروق'' کا مطالعہ ہو چکا ہے تو ''سیرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ'' پڑھنے کی تاکید فرمائی۔اس طرح اختتامِ سال تک چند کتابوں کا مطالعہ ہو گیا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی عادت یہ تھی کہ جب بھی اسباق سے فارغ ہو کر کسی ضرورت سے کتب خانہ یا اور کسی جگہ تشریف لے جاتے تو تختۂ سیاہ پر چند اشعار لکھ کر فرماتے کہ میری واپسی تک ان اشعار کا ترجمہ لکھو۔ایک مرتبہ فارسی کے یہ اشعار لکھے ؎

آں کس کہ بداند و بداند کہ نداند ۔۔۔ اسپ طربِ خویش بافلاک برساند
وآں کس کہ بداند و بداند کہ بداند ۔۔۔ آں ہم خرِ پالنگِ خود بمنزل برساند
وآں کس کہ نداند و بداند کہ بداند ۔۔۔ در جہلِ مرکب ابد الدہر بماند

ان اشعار کا معنی تو ہم ٹھیک نہیں لکھ سکے،مولانا رحمہ اللہ نے سمجھایا؛ مگر ہم کو اشعار بہت پسند آئے تو ان کو یاد کرتے رہے۔

کبھی کبھی علامہ اقبالؒ کی نظمیں سناتے اور بعض نظموں کو جلسوں میں پڑھواتے۔''انجمنِ اصلاح الکلام'' کے سالانہ جلسے میں ''از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز'' چند ساتھیوں کے ساتھ پڑھنے کے لیے فرمایا۔جلسے میں جب نظم پڑھی گئی تو حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے جو صدرِ جلسہ تھے تحسین فرماتے ہوئے فرمایا ''بسیار خوب، بسیار خوب''۔

اسی جلسے میں بندے کی فارسی تقریر بھی ہوئی جو دراصل حضرتؒ کی تیار کردہ تھی۔عمر چھوٹی تھی اور جلسے میں حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ، مولانا سید انوار الحق صاحبؒ، مولانا عبدالقدیر صاحبؒ(۱) اور دیگر اساتذۂ جامعہ کی موجودگی میں ہیبت طاری ہوگئی؛ مگر ہمت کر کے رٹی ہوئی یہ تقریر گلے کی پوری قوت سے سنادی۔تقریر ختم ہوئی تو ''سبحان اللہ، ماشاءاللہ'' کی آوازیں سن کر جان میں جان آئی اور ایک چوّنی انعام پایا جو اس زمانے میں میرے لیے بہت بڑا انعام تھا۔

درس و تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ ڈابھیل گاؤں کی ''انجمنِ ناصر المسلمین'' کے کاموں کی بھی نگرانی فرماتے تھے،اور کبھی جمعہ وغیرہ تعطیلات میں بلا کر انجمن کے بعض کاموں میں لگاتے تھے۔

اسی جگہ ''الجمعیۃ'' (روزنامہ) پہلی مرتبہ نظر سے گزرا، ''الفرقان'' (لکھنؤ)، ''برہان'' (دہلی)، ''سیاست'' (دہلی) وغیرہ پرچے اسی انجمن میں مولانا رحمہ اللہ ہی کے مشورے سے آتے تھے،جس پر عصر کے بعد یا جمعہ کو نظر ڈال لیتے تھے۔عربی اول

---

(۱) **مولانا عبدالقدیر بن عبدالرحیم کیمبل پوریؒ**: فاضل جامعہ ڈابھیل و تلمیذ علامہ کشمیریؒ و شیخ الحدیث ''دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی''۔۱۸۹۳ء میں آنکھیں کھولیں۔''مدرسہ امینیہ دہلی''، ''مظاہر علوم سہارنپور''، ''دارالعلوم دیوبند'' اور ''جامعہ ڈابھیل'' کے نامور اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔شاہ صاحبؒ سے دوبار بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔آپ ہی کی ایما پر جامعہ میں تقرر عمل میں آیا؛ مگر گھریلو حالات کی وجہ سے گھر تشریف لے گئے۔پھر مولانا احمد بزرگؒ اور مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کی دعوت پر تشریف لائے۔جامعہ میں آپ کی کل مدتِ قیام ۵؍سال ہے۔شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر جیسے نامی گرامی شاگرد پیدا فرمائے۔''توثیق الکلام'' اور ''تدقیق الکلام'' وغیرہ کتابیں یادگار چھوڑیں۔افسوس کہ ۴؍دسمبر ۱۹۹۰ء کو اسلاف کی یہ یادگار اپنے پیش رو بزرگوں سے جاملی۔

درجے کی جملہ کتابیں بھی حضرت رحمہ اللہ سے پڑھیں، ''عربی کا معلم'' کے ذریعے عربی اردو ترجمہ کرنے کی مشق حضرتؒ ہی کے پاس ہوئی۔ ایک گھنٹہ خالی رہتا تھا تو حضرت نے ''اخلاقِ محسنی'' اور ''یوسف زلیخا'' کا کچھ حصہ خصوصی طور پر ناچیز کو پڑھایا۔ عربی انشاء کی کاپی بہت پابندی اور توجہ سے ملاحظہ فرماتے تھے اور اصلاح فرما کر واپس فرماتے۔

سیاست میں مولاناؒ ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے حامی تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنّوریؒ اور حضرت مولانا شمس الدین بڑودویؒ(۱) کے ساتھ مل کر ''جمعیۃ علمائے ہند'' کا پیغام مسلمانوں میں عام کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ بعض مجلسوں میں بطورِ خادم بندہ بھی حاضر رہتا، اور اکابرین کے افکار و فرمودات سے واقف ہوتا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی مجاہدانہ زندگی،

(۱) **حضرت مولانا قاری مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ:** سابق ناظمِ اعلیٰ اصلاح المسلمین بڑودہ و جمعیۃ علمائے صوبۂ گجرات، فاضل جامعہ حسینیہ راندیر، سابق مفتی وصدر مدرس جامعہ حسینیہ وسابق مدرس جامعہ ڈابھیل وتلمیذ علامہ کشمیریؒ اور مترجمِ کلام پاک۔ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں بمقام بڑودہ ولادت ہوئی۔ ابتدا میں انگریزی تعلیم حاصل فرمائی۔ اسی دوران کسی مردِ غیب کی بات سے متاثر ہو کر انگریزی چھوڑ کر دینی تعلیم میں مشغول ہوئے۔ ''جامعہ حسینیہ راندیر'' کے اولین فضلا میں تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں فراغت حاصل فرمائی۔ فراغت کے بعد بانیٔ جامعہ مولانا محمد حسین صاحب راندیریؒ کی ایما پر جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور وہاں چند سال قیام فرما کر تعلیمی و تبلیغی خدمات انجام دیں، بعدہٗ جامعہ حسینیہ و ڈابھیل میں تدریس کا مشغلہ رہا۔ آپ کے شاگردوں میں مفتی احمد بیمات صاحب، مولانا آدم منوبری صاحب، مولانا سید غلام رسول بورسدی صاحب رحمہم اللہ وغیرہ فاضل علما ہیں۔ اردو و گجراتی پر یکساں عبور حاصل تھا۔ متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ترجمۂ کلام پاک اور ''احسن القواعد'' نہایت معروف ہیں۔ اصلاح المسلمین کی داغ بیل ڈالی، جس کے نتیجے میں سیکڑوں مکاتب قائم ہوئے۔ ۱۳؍شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق فروری ۱۹۵۹ء بروز یکشنبہ جان جانِ آفریں کو سپرد کر دی، اور پسماندگان میں لائق و فائق اولاد چھوڑی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

علم وتقویٰ میں بلند مقام؛ نیز ان کی عظیم سیاسی خدمات کا تذکرہ مولاناؒ کی زبانی سننے میں آتا، مولانا مدنیؒ کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا ذکرِ خیر بار بار کانوں میں پڑتا تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا کے استاذ تھے اس لیے باوجود سیاسی نظریات میں اختلاف کے ان کا ذکر بھی بہت ہی احترام وعزت کے ساتھ فرماتے تھے۔ بندے کو بالکل یاد نہیں کہ کسی مجلس میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ یا علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقا کے بارے میں کبھی کوئی نازیبا کلمہ یا تُرش بات زبان سے نکلی ہو۔ گویا علما کے نظریات میں اختلاف کے باوجود اعتدال کی راہ پر قائم رہنے کا عملی سبق بھی ہم کو حضرت مولانا رحمہ اللہ ہی کی صحبت سے حاصل ہوا۔

بندے کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ اس قدر تھا کہ شفقتِ مادر و پدر یاد نہیں آتی تھی۔ شاید ہی کوئی ہفتہ خالی جاتا ہو کہ دو تین بار گھر لے جا کر روٹی نہ کھلاتے ہوں۔ بیمار ہو جاتا تو خبر گیری فرماتے اور گھر سے کھانا بھجواتے۔

مدرسے سے فارغ ہونے تک برابر علمی رہنمائی فرماتے رہے، اور فراغت کے بعد مدرسے میں تعلیمی کاموں پر لگایا۔ ''مجلسِ خدام الدین'' میں ناظمِ تعلیمات مقرر ہوا تو ہر قدم پر مشورے سے مدد فرمائی۔

بزرگوں سے خط وکتابت اور تجاویز مرتب کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلاتے رہے۔ مہمان نوازی گھٹی میں پڑی تھی۔ کشادہ دست نہیں تھے؛ مگر کبھی شکوہ شکایت یا اظہارِ غم کرتے نہیں دیکھا۔ بندے کو اپنے فرزندوں میں شمار فرماتے۔

رنگون کا سفر بھی فرمایا؛ مگر طبیعت وہاں بھی نہ جم سکی۔ پھر ''مڈغاسکر'' کا سفر فرمایا، دوبارہ وطن تشریف لائے تو ''جامعہ'' میں اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھالی؛ مگر مولانا مرحوم جوڑ توڑ کے آدمی نہ تھے؛ اس لیے حالات پر قابو نہ پا سکے۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' میں تدریس کی ذمہ داری قبول فرمائی، اور ساتھ ساتھ رسالہ ''تبلیغ'' (۱) کی ترتیب بھی ذمہ لی۔ ''فلاحِ دارین'' کے ابتدائی دور میں انقلاب آیا تو مولانا مرحوم سے صرف تدریس کا کام کرنے کی درخواست کی گئی؛ تا کہ اس جدید ادارے کے طلبہ کو بہتر طور پر تیار کیا جا سکے: مگر بعض یار لوگوں نے مولانا کو برگشتہ کر دیا اور مولانا نے تین ماہ کی رخصت کے بعد استعفا پیش کر دیا۔

میرے لیے یہ سخت امتحان اور آزمائش کا مقام تھا، بار بار حاضر ہو کر صورتِ حال کی وضاحت کرتا رہا؛ مگر مولانا واپسی پر آمادہ نہ ہو سکے۔ بالآخر ی-یونین کا سفر فرمایا اور وہیں عارضۂ قلب کے سبب اپنی طویل علمی، سماجی اور سیاسی خدمات کا صلہ حاصل کرنے اپنے مولائے حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

اللّٰھم اغفرلہ و ارحمہ و أدخلہ الجنۃ جنۃ النّعیم. آمین !

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمہ اللہ کے احسانات اور خدمات کا بھرپور صلہ عطا فرمائے کہ ناچیز جو کچھ دینی خدمت کر سکا اس میں دیگر اساتذہ کے ساتھ مرحوم کا بھی بڑا حصہ ہے۔

---

(۱) یہ گجراتی پرچہ ہے جو پہلے ترکیسر اور اب ''دارالعلوم تاراپور'' سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے پہلے ایڈیٹر جناب منشی محمود بن قاسم پانڈور کاپودرویؒ تھے، پھر مولانا غلام محمد صاحب نور گتؒ نے ادارت سنبھالی، اور اب مولانا عبدالاحد صاحب تاراپوری دام ظلہ کی زیرِ ادارت مصروفِ افادہ ہے۔ اس کے ذریعے گجرات میں حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف کی خصوصی اشاعت ہوئی۔

حضرت مولانا محمد بن ابراہیم صوفی صاحب ڈابھیلیؒ

(وفات: ۱۳۸۲ھ)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صوفی صاحبؒ ڈابھیل ہی کے باشندے تھے اور اسی ''جامعہ'' سے فارغ ہو کر فوراً تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ کئی سال تک فارسی درجات کے مدرس رہے پھر عربی درجۂ اولیٰ میں ترقی ہوئی۔ ہم لوگ جب درجۂ اولیٰ سے فارغ ہوئے اور درجۂ عربی دوم میں داخلہ ہوا تو حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کو اس درجے میں مقرر کیا گیا۔ شروع سے حضرت صوفی صاحبؒ کی سخت گیری کے قصے سنتے تھے کہ اگر سبق سناتے ہوئے تین غلطیاں ہو گئیں تو فوراً طالبِ علم کو کھڑا کر دیتے تھے۔ بعض مرتبہ دو پہر تک اور بعض مرتبہ ظہر کے بعد سے عصر تک کھڑا رہنا پڑتا؛ بل کہ بعض طلبہ کو تو مرغا بن کر دن بھر سبق یاد کرنا پڑتا تھا۔

اس لیے جب شوال میں مدرسے کی تعلیم شروع ہونے کا وقت آیا تو بندے نے والدہ کے سامنے رونا شروع کیا اور مدرسہ چھوڑنے کا اصرار کیا۔ والد صاحبؒ کی طبیعت سخت تھی، اس لیے ان سے بات کرنے کی تو ہمت نہیں ہو سکتی تھی، والدہ نے والد صاحب کو میرے خیالات سے آگاہ کیا۔ فوراً طلبی ہوئی اور فرمایا کہ ڈابھیل ہی جانا ہوگا، اور فرمایا کہ کوئی استاذ ظالم نہیں ہوتا کہ بلا وجہ اپنے شاگردوں پر سختی کرے۔ والد مرحوم گجراتی اسکول میں ماسٹر رہ چکے تھے اس لیے چند کہانیاں سنائیں کہ بچوں کو بعض

مرتبہ بڑوں کی باتیں ناگوار معلوم ہوتی ہیں؛ مگر یہ ان کی خام عقلی کے سبب ہے؛ ورنہ بڑوں کی سختی اور پابندی ان کے حق میں مفید ہوتی ہے۔ قبلہ والد صاحب کی مخالفت کرنے کی تو ہمت تھی ہی نہیں ناچار رو دھو کر ڈابھیل روانہ ہوگیا۔

پہلی حاضری پر جو خوف طاری تھا وہ اب تک یاد ہے۔ نور الایضاح، ہدایۃ النحو، تیسیر المنطق، علم الصیغہ، بحر الآداب کے اسباق مختلف ساعات میں شروع ہوئے۔

حضرت صوفی صاحبؒ کی عادت یہ تھی کہ ایک ماہ برابر ہر طالبِ علم سے مکمل سبق سنتے، اس کے بعد مختلف طلبا کو سبق سنانے کے لیے فرماتے، اس پہلے ماہ میں جن کے بارے میں اطمینان ہو جاتا کہ یہ برابر یاد کر لیتا ہے پھر اس کی باری بہت کم آتی۔ الحمد للہ! اس آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمایا، اور سال بھر کسی دن بھی کھڑے رہنے یا مرغا بننے کی نوبت نہیں آئی؛ بل کہ بندے کے ساتھ بعض ایسی رعایتیں بھی فرمائیں جو ان کے مزاج اور طریقِ کار کے خلاف تھیں۔

رفقائے درس میں شیخ احمد پونوی، محمد عباس پونوی ذہین تھے۔ شیخ احمد ڈابھیل آنے سے قبل پنجاب کے کسی مدرسے میں صرف ونحو پڑھ چکے تھے؛ اس لیے عبارت بھی اچھی پڑھ لیتے تھے، اور ہر روز ''نور الایضاح'' کی عبارت پڑھنے میں ان کے ساتھ مسابقہ رہتا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد کمرے میں ''نور الایضاح'' کی عبارت کا مطالعہ کرنے اور اس کو دو تین بار پڑھنے کی کوشش کرتا تھا؛ تا کہ صوفی صاحبؒ کے سامنے صحیح طریقہ سے اور جلدی پڑھ سکوں۔ بہر حال حضرت صوفی صاحب ہم دونوں پر مہربان تھے۔

نور الایضاح کے سبق میں جب ''باب الاستنجاء'' کا درس شروع ہوا اور إذَا كانت .... مدلاةً والی عبارت آئی تو بچپن تو تھا ہی بے اختیار ہنسی نکل گئی، میرے ہنسنے کے سبب اور رفقائے درس بھی اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ بس پھر کیا تھا صوفی صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ہمارے ایک ساتھی اسماعیل کولہاپوری کو ڈانٹنا شروع کیا۔ وہ بڑی عمر میں مراٹھی کے ماسٹر کی ملازمت چھوڑ کر مدرسے میں آئے تھے، بڑی ڈاڑھی تھی؛ اس لیے ان پر ہی زیادہ برسے۔ انہوں نے فرمایا: آپ اس کو کچھ نہیں کہتے جس نے سب کو ہنسایا، فرمایا کہ یہ ہنسے گا تو یہ روئے گا، تمہیں کیا ضرورت تھی؟ بہر حال اس حرکت پر سب کو عتاب سہنا پڑا؛ مگر سزا سے پھر بھی بچ گئے۔ چھٹی کے بعد رفقا نے خوب خبر لی، اور صوفی صاحب کی میرے ساتھ اس رعایت کو بہت ہی تعجب سے دیکھا۔ اللہ اللہ! اگر ان کی ایسی شفقت نہ ہوتی تو شاید میرے جیسے کمزور کے لیے مدرسے میں ٹھہرنا مشکل ہوتا۔

حضرت صوفی صاحبؒ عصر کے بعد ''انجمن ناصر المسلمین'' کے باہر کرسی پر تشریف رکھتے تھے اور اخبار کا مطالعہ فرماتے، ساتھ ساتھ جو طلبہ اس طرف سے گزرتے ان پر بھی ان کی نظر ہوتی۔ اس لیے ان کے شاگردوں کو عصر بعد بھی اس طرف سے گزرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اگر سبق میں دو غلطی بھی ہوئی فوراً فرماتے تھے، حضرت کا تکیۂ کلام ''میاں'' تھا، زبان میں تھوڑی لکنت تھی اس لیے ''میاں میاں'' رک رک کر فرماتے تھے۔ فرماتے تھے میاں! میاں تم پڑھنے تھوڑے آئے ہو۔ تمہیں گاؤں میں مٹر گشت کرنے سے ہی فرصت کہاں وغیرہ اور فوراً کھڑے

ہو جانے کا حکم ہوتا تھا۔ ناچیز کو حضرت عبدالحی صاحبؒ کی معیت میں انجمن جانے کی نوبت آتی تو صوفی صاحب کو دیکھ کر قدم لڑکھڑاتے تھے؛ مگر الحمدللہ! کبھی روک ٹوک نہیں فرمائی اور نہ سبق میں کوئی جملہ فرمایا۔

پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ بندہ عربی درجۂ اولیٰ کا مدرس تھا اور حضرت صوفی صاحبؒ درجۂ دوم کی درسگاہ کے قریب سے گزرتے تو سبق پڑھانے کے انداز دیکھتے، کبھی ایک طرف توقف فرما کر سن بھی لیتے۔ پھر بندے نے درمیان میں چند سال ''جامعہ'' سے الگ ہو کر ''مجلسِ خدام الدین'' سملک اور اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحب گارڈیؒ(۱) کے صاحب زادگان کے ساتھ ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا محمد سعید بزرگؒ(۲) کی دعوت پر دوبارہ ''جامعہ'' میں حاضر ہوا۔ میرے پاس دفتر کا کام تھا؛ نیز ''شرحِ وقایہ'' اور ''مقاماتِ حریری'' کے دو اسباق تھے۔

حضرت صوفی صاحبؒ اس زمانے میں شدید علالت کے سبب صاحبِ فراش تھے۔ جب مولانا سعید صاحب بزرگؒ عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو

---

(۱) **مولانا اسماعیل صاحب گارڈیؒ:** ''دارالعلوم دیوبند'' کے خوشہ چین، فاضل ''جامعہ ڈابھیل'' تلمیذِ رشید حضرت علامہ کشمیریؒ، جنوبی افریقہ کے چوٹی کے تاجروں میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کے خانوادے کی فیاضیوں کے بادل اداروں اور علمی شخصیتوں پر برسے اور خوب برسے، یہاں تک کہ زباں زد خاص و عام ہو گیا کہ ''گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی''۔ سید ازہر شاہ قیصرؒ آپ کے تعارف میں فرماتے ہیں: ایک باخبر عالم، ایک فرض شناس و متقی مسلمان، تجارت میں انہماک و مشغولیتوں کے باوجود مطالعہ و مذاکرہ کی راہ سے آپ کا علم تازہ ہے۔ وعظ بھی بہت اچھا کہتے ہیں، اور تصنیف و تالیف کی صلاحیت بھی آپ کو حاصل ہے۔ ۱۴۰۴ھ میں راہئ ملک بقا ہوئے۔

(۲) آپ کے تفصیلی حالات کے لیے ''نقوشِ بزرگاں'' مؤلفہ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ ملاحظہ فرمائیں۔

بندے کی دوبارہ ''جامعہ'' میں حاضری سے خوشی کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ اس کو تو عربی اول ہی سپرد کرتے تو اچھا تھا؛ کیوں کہ پچھلے سالوں میں جو بچے اس کے پاس سے دوم میں آئے تھے وہ بہت اچھے تھے، اس لیے عربی کی بنیاد اچھی بنانے کے لیے ان سے کام لیجیے۔ حضرت مہتمم صاحب نے جب حضرت کی یہ رائے سنائی تو عرض کر دیا کہ آپ کی جو رائے ہوگی مجھے منظور ہے۔ بہر حال مجھے مسرت ہوئی کہ ایک تجربہ کار اور مدرسے کے قدیم استاذ اور میرے مشفق اور مربی نے میرے ساتھ حسنِ ظن قائم فرمایا۔

حضرت صوفی صاحبؒ نے اسی مرض میں وفات پائی اور ۳۵؍سال سے زائد اپنی عظیم خدمات کا نمونہ چھوڑ کر ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے۔ ان کی اسباق کی پابندی، تفہیمِ درس میں انتہائی محنت، طلبا کی شدید نگرانی وغیرہ وہ قیمتی اوصاف ہیں جن کی تقلید ہر مدرس کو کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صوفی صاحب کو بھرپور بدلہ عطا فرما کر جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر عمر بھر رویا کیے

حضرت مولانا محمد حسن صاحب دوحدیؒ

(ولادت: تقریباً ۱۸۸۸ء، وفات: بمقام سکھر حیدرآباد، ۱۹۶۴ء میں باحیات تھے)

''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں ہمارے اساتذہ میں مولانا محمد حسن دوحدیؒ بھی تھے۔ غالباً ''مدرسہ امینیہ دہلی'' کے فارغ تھے۔ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دہلی کے دیگر علما سے کسبِ فیض کر کے پختہ استعداد کے مالک ہو گئے تھے۔ دہلی میں کافی قیام رہا، طب کا علم بھی حاصل کیا، علمائے سلف کی طرح رہن سہن بالکل سادہ تھا۔ عربی، فارسی، اردو کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ طبیعت میں نہایت درجے کی ظرافت تھی، ایسے ایسے قصے اور چٹکلے سناتے کہ سننے والے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔

حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ کو مولانا موصوف سے خصوصی تعلق تھا۔ عصر کے بعد اور اسفار میں مولانا حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ رہتے اور اپنے اشعار اور فکاہات سے مفتی صاحب کو خوش فرماتے۔ بندے نے چند روز ان سے ''کنزالدقائق''، ''نورالانوار'' وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ چھوڑ کر دیوبند چلا گیا تھا؛ اس لیے مذکورہ کتابیں ''دارالعلوم'' میں پوری کیں۔

مولانا محمد حسن صاحبؒ سحر خیزی کے عادی تھے۔ فجر سے قبل مسجد میں تشریف لاتے اور حوض کے قریب کھڑے ہو کر طلبا کو جگاتے ''خدا کے بندو اٹھو! سحر

ہو گئی، دیکھو نیک بندہ جاگتا ہے اور شیطان سوتا ہے، اور جلدی کرو رحمت برس رہی ہے'' وغیرہ کلمات زور زور سے پکارتے تھے۔ کبھی کبھی

لو لا اللّٰہ ما اهتدینا

ولا تصدقنا و لا صلّینا (۱)

خاص لہجے سے زور زور سے پڑھتے۔ ان کی آواز میں بھی خاص قسم کا سوز تھا جس سے طبیعت متاثر ہوتی۔ اور یہ اشعار بھی بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں

جو یہاں مقیم تھے کل کے دن، کہیں آج ان کا نشاں نہیں

ہم نے ان کو بہت اہتمام اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ فرصت کے وقت طلبا مولانا رحمہ اللہ کے کمرے پر جا کر اور کبھی قدیم مسجد کے حوض کے قریب ان سے اشعار یا دہلی کے زمانے کے قصے سنتے۔ بھوپال میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا تھا؛ اس لیے وہاں کے بعض خان لوگوں کے قصے دلچسپ انداز اور ان ہی کے لب ولہجے میں سنا کر مجلس کو باغ و بہار بنا دیتے۔

علمی استعداد بھی پختہ تھی؛ اس لیے مُفَوَّضہ اسباق بھی خوش اسلوبی اور سادہ زبان میں پڑھاتے تھے۔

''جامعہ ڈابھیل'' کے بعد سورت شہر کے ''دارالعلوم رام پورہ'' میں عرصہ تک قیام پذیر رہے اور وہاں بھی بہت سے طلبا نے ان سے کسبِ فیض کیا۔

(۱) بخاری الرقم: ۴۱۰۴

حضرت مولانا مفتی اسماعیل کاسوجی کفلیتویؒ

(ولادت: ۳۰؍جون ۱۹۰۱ء–وفات: ۱؍شعبان ۱۳۷۹ھ–۳۱؍جنوری ۱۹۶۰ء، یکشنبہ)

مفتی اسماعیل کاسوجیؒ بھی گجرات کے جیدالاستعداد علما میں شمار ہوتے تھے۔ رنگون-برما میں مفتیٔ رنگون کے فرائض انجام دیتے رہے۔ درمیان میں چند سال وطن تشریف لائے تو ''جامعہ ڈابھیل'' میں تدریسی خدمت کے لیے دعوت دی گئی۔ حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کے قریبی رفقا میں تھے۔ بندے کو حضرت والا سے سبق پڑھنے کا تو اتفاق نہیں ہوا کہ بندہ جب فارسی اول میں تھا اس وقت مولانا رحمہ اللہ ''ہدایہ اولین'' کا درس دیتے تھے؛ مگر ایک قصے کے سبب مولانا مرحوم مجھے ہمیشہ یاد آتے رہتے ہیں۔ اور قصہ یہ ہے کہ جب ''جامعہ ڈابھیل'' میں تعلیم کے لیے پہلی بار حاضری ہوئی تو حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ مہتمم تھے؛ اس لیے خط لے کر دفتر میں حاضر ہوا، مولانا اسماعیل کاسوجیؒ بھی دفتر میں حضرت مفتی صاحب کے قریب تشریف رکھتے تھے۔ بھاری بھرکم ڈیل ڈول اور کڑی آواز سن کر رعب طاری ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے سُوال کیا: کس درجے میں داخلہ چاہتا ہے؟ عرض کیا فارسی اول میں۔ فرمایا اردو جانتا ہے؟ چوں کہ ''تعلیم الاسلام'' اور ''بہشتی ثمر'' پڑھ چکا تھا؛ نیز ہمارے زمانے میں جس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہوتی تھی وہاں کے اسکول میں اردو زبان کا بھی ایک پریڈ ہوتا تھا، اور اس اسکول کو اردو گجراتی اسکول کہا جاتا تھا، اس لیے اسکول میں ''انجمن حمایت الاسلام'' کی اردو ریڈرس پڑھائی جاتی

تھیں۔ بندے نے درجۂ پنجم تک یہ کتابیں ماسٹر یوسف ٹنکاروی سے پڑھی تھیں؛ اس لیے فوراً جواب دیا جی ہاں! اردو پڑھ سکتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس اردو کی کوئی کتاب رکھی تھی، اس کو کھولا اور فرمایا پڑھ! بندے نے تقریباً نصف صفحہ پڑھا اور اپنے زعم میں سمجھا کہ بہت اچھا پڑھا؛ مگر مفتی صاحب نے زور سے فرمایا بس بس رہنے دے، تجھے ایسی اردو آتی ہے، اور میں گھبرا گیا، پسینہ چھوٹنے لگا۔ اور فوراً ہی مولانا اسماعیل کاسوجیؒ نے فرمایا: حضرت مفتی صاحب! ایک دیہاتی بچے نے جس طرح عبارت پڑھی وہ اچھی ہی ہے۔ مولاناؒ کے اس جملے پر حضرت مفتی صاحبؒ مسکرائے اور فرمایا جا کتب خانے میں حافظ عبدالحق صاحب(۱) کے پاس جا کر فارسی اول میں نام لکھوا لے۔

میرے لیے حضرت مفتی اسماعیل صاحبؒ کی یہ سفارش رحمت اور تائیدِ غیبی ثابت ہوئی۔ بندہ حضرت مولاناؒ سے واقف نہیں تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؛ مگر دل جذبۂ شکر گزاری سے معمور ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا یہاں علیا کے مدرس ہیں، پھر لوگوں سے معلوم ہوا کہ مولانا بہت نرم خو اور طلبا کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والے استاذ ہیں۔

مفتی اسماعیل کاسوجیؒ زیادہ دنوں ''جامعہ'' میں نہیں رہے۔ دوبارہ ''رنگون'' کا سفر فرمایا اور وہیں وفات پائی۔ **رحمه الله رحمةً واسعة!**

(۱) **حافظ عبدالحق بسم اللہ صاحبؒ**: سابق استاذِ حفظ وناظرہ ''جامعہ ڈابھیل'' تقریباً ۴۰؍سال جامعہ میں خدمات انجام دیں۔ سادگی اور امانت داری آپ کا شیوہ رہا۔ ۱۳۸۳ھ میں عازم ملک عدم ہوئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!
(تاریخ جامعہ ڈابھیل: ۱۵۰)

حضرت مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہ صاحبؒ

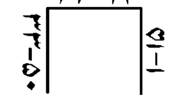
(ولادت:۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء

وفات:۱۶؍شوال ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۴؍اپریل ۱۹۵۹ء)

حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ ہندوستان کے اکابر علما میں تھے۔ ڈابھیل ضلع سورت ہی میں ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سملک ڈابھیل اور کٹھور کے ''مدرسہ اسلامیہ'' میں حاصل کی۔ عربی اور اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ''دار العلوم دیوبند'' تشریف لے گئے اور اس دور کے اساطینِ علم وفضل سے مستفید ہوئے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، علامہ غلام رسول خان صاحبؒ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ وغیرہ نامور اساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا۔ ایک دو سال ''مدرسہ امینیہ دہلی'' میں قیام فرما کر مفتیِ اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ اور دہلی کے بعض دیگر اساتذہ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد جنوبی افریقہ و برما کے اسفار بھی ہوئے، رنگون میں دار الافتا کی اہم ذمہ داری سنبھالی، بعض امراض کے سبب حضرت مفتی صاحب نے ''برما'' کا قیام ترک فرما دیا تھا۔ اس کے بعد جامعہ ہی سے متعلق ہو گئے، تعلیمی نگرانی، درس و تدریس، دار الافتا کی ذمے داری وغیرہ مختلف خدمات کے ساتھ اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔

بندہ جب داخلے کے لیے حاضر ہوا تو حضرت مفتی اسماعیل صاحبؒ ہی مہتمم تھے۔ دفتر میں پہلی دفعہ نظر پڑتے ہی رعب طاری ہو گیا، روشن چہرہ، درمیانی قد اور شیریں زبان تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے برما کے قیام کے زمانے سے تعلق تھا؛ اس لیے ان کی خیر و عافیت دریافت فرمائی، اور چند سُوالات اور مختصر امتحان کے بعد فارسی اول میں داخل فرما دیا۔

حضرت مفتی صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ مدرسے کا وقت شروع ہوتے ہی دفتر سے باہر تشریف لاتے اور ''دار الاقامہ'' کی تینوں لائنوں پر سے گزرتے۔ اس زمانے میں ''جامعہ'' میں دار الاقامہ سادہ تھا اور متوسط کمروں کی تین لائنوں پر مشتمل تھا؛ پہلی لائن میں ۱ تا ۱۵؍کمرے، دوسری لائن میں ۱۶ تا ۳۲؍کمرے اور تیسری لائن میں ۳۳ تا ۵۰؍نمبر کے کمرے تھے۔ جس کا نقشہ یہ ہے:



اگر کوئی طالبِ علم اتفاق سے سو گیا ہوتا تو اس کو جگا کر مدرسہ روانہ فرماتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کی خبر گیری فرماتے۔ ہمارے پہلے تعلیمی سال میں شوال کے اواخر میں ملیریا کی وبا پھیلی اور طلبا کی ایک بڑی تعداد بخار میں مبتلا ہو گئی۔ بندہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ پہلی مرتبہ گھر سے باہر نکلا تھا اور عمر ۱۱؍سال تھی اس لیے والدہ کی یاد ستانے لگی۔ حضرت مفتی صاحبؒ حسبِ معمول لائن پر تشریف لائے۔ ہم کمرہ نمبر ۳۳؍میں رہتے تھے، دروازہ کھولا اور پوچھا کیوں لیٹے ہو؟ بجائے جواب دینے کے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

دارالاقامہ میں اس زمانے میں پلنگ یا چارپائیاں نہیں تھیں، اکثر طلبا نیچے بستر بچھا کر سوتے تھے۔ ناچیز بھی ایک پتلی سی گدڑی پر نیچے پڑا تھا۔ حضرت مفتی صاحب میرے سرہانے کے پاس نیچے بیٹھ گئے اور سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دم کرنے لگے اور بہت دیر تک تسلی دیتے رہے۔

اللہ اکبر! اپنے زمانے کا بڑا عالم، صدر مفتی اور مہتمم اور ایک دیہاتی کمزور طالبِ علم کے ساتھ یہ شفقت اور مہربانی!۔ جب بھی یہ منظر یاد آتا ہے آبدیدہ ہوجاتا ہوں اور حضرت رحمہ اللہ کے بلند درجات کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ اے اللہ! حضرت کے درجات کو بلند سے بلندتر فرما۔ آمین!

حضرت مفتی صاحب بہت مہمان نواز تھے، کوئی مہمان آتا اور کھانا پکتا تو ہماری بھی عید ہوجاتی۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ کے ہمراہ اکثر گھر جانا ہوتا تو مہمانوں کی خدمت کا موقع ملتا، اور پیٹ بھر کھانا بھی کھاتے۔ جب تک عمر چھوٹی تھی گھر کے اندر جاتا رہا؛ لیکن تین سال کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب تم بڑے ہوگئے ہو اس لیے پردہ کا خیال رکھو۔ حدودِ شریعت کی رعایت حضرت مفتی صاحب کے گھر میں نہ ہوتی تو کہاں ہوتی؟

حضرت مفتی صاحبؒ سے باقاعدہ سبق پڑھنے کی نوبت تو نہیں آئی کہ ہمارے ابتدائی طالب علمی کے زمانے میں حضرت ''ہدایہ اولین'' کا درس دیتے تھے؛ البتہ ایک مرتبہ ''نورالانوار'' کا ایک سبق پڑھایا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جن استاذ صاحب کے پاس یہ سبق تھا ہمارے بعض ساتھیوں کو شکایت ہوئی کہ استاذِ محترم برابر

سمجھا نہیں سکتے؛ معاملہ حضرت مفتی صاحب کے سامنے گیا تو فرمایا کہ کیا مشکل ہے اور نصف گھنٹے میں پورے سبق کی تفہیم فرمادی۔ **مَنْ عَلَّمَنِيْ حَرْفًا صِرْتُ لَهُ عَبْدًا**(۱)۔

فقہ واصولِ فقہ میں بڑی اچھی مہارت تھی، اس لیے طلبہ آپ کے درس سے بہت مطمئن ومسرور رہتے۔ طبیعت میں ظرافت بھی تھی، اس لیے جو طلبہ آپ سے قریب ہوجاتے ان سے مزاح بھی فرماتے تھے۔ ہم چھوٹوں کو البتہ دفتر میں جانے اور کوئی بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی؛ اس لیے ضرورت کے وقت ایسے طلبہ کا سہارا لیتے جن کا حضرتؒ سے تعلق رہتا تھا۔

عربی درجۂ سوم کے اسباق شروع ہوئے اور ہمارے بعض دوستوں کے دیوبند چلے جانے کے سبب بندے کا ارادہ بھی دیوبند جانے کا ہوگیا، والد صاحب کی رائے نہیں تھی کہ عمر بہت چھوٹی ہے اور کمزور بھی ہے، وہاں کی سردی اور موسم برداشت نہ کرسکے گا؛ مگر طبیعت کا رخ نہ بدلا۔ حضرتؒ کو جب علم ہوا تو فوراً دفتر میں بلایا اور بہت دیر تک سمجھاتے رہے کہ اس طرح درمیانی سال میں جانا اور پھر اس عمر میں مناسب نہیں؛ مگر بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا جاؤ جو جی چاہے کرو۔ ''دارالعلوم'' جاکر داخلہ تو لے لیا؛ مگر ڈیڑھ سال ہی میں طبیعت خراب ہوگئی، اور مجبور

---

(۱) سئل الشيخ عائض القرني –حفظه اللّٰه– عن هذه المقولة كما في دروسه، فقال: لا يصح هذا من المعصوم صلى اللّٰه عليه وسلم و لكنه مثل من الأمثلة التي اشتهرت على ألسنة الناس، قلتُ: أصاب الشيخ و لكن الشيخ أباسعيد محمد بن محمد الخادمي –رحمه اللّٰه– المتوفى ١١٥٦هـ نسبه إلى علي رضي اللّٰه عنه، و هذا نصه: قال علي –كرم اللّٰه وجهه– أنا عبد من علّمني حرفًا إن شاء باع و إن شاء استرقَّ . (بريقة محمودية شرح طريقة محمدية: ١٨٥/٥) اسماعيل عفى عنه

ہوکر واپس آنا پڑا۔ گھر علاج ومعالجے میں تین ماہ گزر گئے پھر بھی ہمت کر کے حضرت مفتی صاحبؒ کے نام سابقہ حماقت پر معافی نامہ لکھا اور دوبارہ سایۂ عاطفت میں لینے کی درخواست کی۔ تیسرے روز ہی منظوری کا جواب ملا، اور دوبارہ حضرتؒ کے زیرِ سایہ ڈابھیل میں تعلیمی کام میں مشغول ہو گیا۔ کتنے عظیم اور شفیق تھے یہ لوگ! اس وقت ہم نے قدر نہیں پہچانی؛ مگر اب جب یہ نقوش سامنے آتے ہیں تو ان کی عظمت وشرافت کو بے اختیار سلام کرتے ہیں۔

فراغت کے بعد شادی کا مرحلہ آیا تو ڈابھیل حاضر ہوکر شادی میں شرکت، نکاح پڑھانے اور مجلسِ نکاح میں وعظ ونصیحت کرنے کی درخواست کی، فرمایا کہ حاضر ہوسکتا ہوں بشرطے کہ حضرت مولانا علی محمد تراجوی اور مولانا محمد حسن دوحدی ساتھ ہوں۔ حضرت مولانا محمد حسن دوحدیؒ کا مسئلہ تو آسان تھا؛ مگر مولانا علی محمد تراجویؒ کو تیار کرنا بڑا مشکل تھا؛ مگر ہمت کر کے تراج حاضر ہوا، سلام و خیریت کے بعد درخواست پیش کی، پہلے تو حضرت نے معذرت چاہی؛ مگر بندے نے جب اصرار کیا کہ حضرت آپ کو دیہات کے سفر کی زحمت تو ہوگی؛ مگر مجھ غریب کا دل خوش ہوگا، اور حضرت مفتی صاحب آپ کے بغیر سفر نہیں فرمائیں گے۔ مسکرائے اور فرمایا اچھا بھائی حضرت مفتی صاحب کی معیت میں سفر کرلیں گے۔

۱۹۵۴ء میں انکلیشور سے کاپودرا کے لیے بس سَرْوِس نہیں تھی، نہ ٹیکسی کا رَواج تھا اور اگر ملتی بھی ہوتی تو جیب متحمل نہیں تھا۔ ناچار بیل گاڑی میں گاؤں تک کا سفر فرمایا۔ عِشَا کے بعد نکاح پڑھایا، وعظ ہوا اور رات کا قیام بھی فرمایا۔ مجلسِ وعظ

کے اختتام پر بزرگوں کو ان کی جائے قیام تک لے گیا، مولانا محمد حسن دوحدیؒ نے حسبِ عادت لطائف سنانے شروع کیے اور تھوڑی دیر میں مجلس باغ و بہار بن گئی۔ بندہ بھی وہاں بیٹھا رہا۔ مفتی صاحب کی نظر پڑی تو فرمایا ارے! تم کیوں یہاں بیٹھے ہو جاؤ اب حقوق ادا کرو تو سب لوگ ہنس پڑے، مجھے حکماً روانہ کردیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے تقویٰ اور معاملات کی صفائی کا عام چرچا تھا۔ اہتمام اور دارالافتا کی ذمہ داری ساتھ ساتھ نبھاتے؛ مگر تنخواہ بالکل معمولی تھی۔ مہمان نوازی کے سبب ہمیشہ زیرِ بار رہتے؛ مگر کبھی اشارۃً وکنایۃً بھی کسی پر اپنی احتیاج کا اظہار نہیں فرماتے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ نے فقر کے بیان میں جو فرمایا ہے ؎

فقر می دانی چہ باشد اے پسر
با تو گویم گر نداری زآں خبر
گرچہ باشد بے نوا در زیرِ دلق
خویش را مُنْعِم نماید پیشِ خلق (۱)

حضرت مفتی صاحبؒ بالکل اس کا عملی نمونہ تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اختلاجِ قلب کے مریض تھے، نیز ذکی الحس تھے؛ اس لیے چھوٹی چھوٹی بے اعتدالیوں پر بھی بھڑک اٹھتے تھے؛ مگر یہ غصہ اور غضب چند منٹ کا ہوتا، اسی لیے سفر میں حضرت مولانا محمد حسن دوحدیؒ اور دیگر خاص خدام کو ساتھ رکھتے۔

---

(۱) پند نامہ فرید الدین عطارؒ: ۴۸

حضرت مفتی اسماعیل صاحب صرف صوبۂ گجرات کے مفتی نہ تھے؛ بل کہ برِ صغیر کے ممتاز علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

''مسلم گجرات'' کے مدیرِ محترم جناب عظیم الدین مُنادی صاحب مرحوم (۱) فرماتے تھے کہ ''ہمارا مسلم گجرات کا مفتی عظیم اور نرالا مفتی ہے؛ مگر افسوس گجراتی لوگوں نے ان کی قدر پہچانی نہیں'' حضرت رحمہ اللہ کے فتاویٰ اردو اور گجراتی دونوں زبانوں میں موجود ہیں، اگر وہ مکمل شائع ہو جائیں تو امت کے لیے گراں قدر نعمت ثابت ہوں گے (۲)۔

---

(۱) جناب سید عظیم الدین مُنادی صاحب (ولادت: ۱۸۹۰ء): گجراتی و اردو کے شاعر، مشہور بے باک صحافی، بانی و مدیر ''مسلم گجرات''۔ عربی و فارسی تعلیم راندیر کے مدرسوں میں حاصل فرمائی۔ سورت و بمبئی کی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لندن میں صحافت کی تعلیم لی۔ عراق کا سفر کر کے کھجور اور ریشم کی زراعت کی تعلیم حاصل کی۔ پھر کشمیر جا کر اس میں مہارت بہم پہنچائی۔ دوسری مرتبہ عراق گئے اسی موقعے پر انگریز مخالف کارکردگی کے شبہ میں شیخ حافظ وہبہ کے ساتھ کراچی میں قید کئے گئے، بعد میں سورت میں نظر بند رکھے گئے۔ کچھ مدت جواہر کے منیجر کی حیثیت سے کام کیا۔ تھوڑی مدت مصر میں بھی قیام فرمایا؛ اسی لیے بآسانی عربی بولتے اور سمجھ لیتے تھے۔ سورت آ کر ''مسلم گجرات پریس'' کی داغ بیل ڈال کر ہفتہ واری ''مسلم گجرات'' کا آغاز فرمایا۔ بمبئی سماچار، وفادار اور انصاف وغیرہ اخبارات و جرائد کی ادارت سنبھالی۔ گجراتی زبان کے ادیب و شاعر تھے۔ اردو میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔ گجراتی زبان و ادب کا ایک مخصوص اسلوب قائم کیا جس میں اردو اور فارسی الفاظ کا استعمال کرتے۔ خاص موضوع قرآن اور علامہ اقبال تھے۔ سیرت النبی، پیام مشرق، بال جبریل، گوئٹے کا منظوم کلام، حیات محمد علی، المرأۃ المسلمۃ للعلامۃ فرید وجدی کے کامیاب گجراتی ترجمے فرمائے۔ افسوس! کہ ۷/مئی ۱۹۷۲ء بروز یک شنبہ رحلت فرمائی۔ فغفر اللہ لہٗ!

(۲) الحمد للہ! حضرتؒ کے گجراتی فتاویٰ کی اشاعت کے بعد اب اردو فتاویٰ بھی دو جلدوں میں حضرت اقدس مفتی عباس صاحب بسم اللہ مدظلہٗ کی زیرِ نگرانی جامعۃ القراءات کفلیتہ کے شعبۂ نشر و اشاعت سے شرمندۂ اشاعت ہو چکے ہیں، باقی جلدیں زیرِ ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔ آمین!

۱۳۷۸ء مطابق ۱۹۵۹ھ میں بندۂ حقیر اپنی خالہ کے ساتھ حرمین شریفین کے سفر کے لیے روانہ ہوا، حرمِ پاک میں بیٹھا تھا کہ کسی تازہ وارد حاجی صاحب کی زبانی حضرتؒ کی وفات کی خبر سنی، دل پر بجلی سی گری، طواف و تلاوتِ قرآن مجید کر کے حضرتؒ کی روح پُرفُتوح کو ایصالِ ثواب کرتا رہا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ تعالیٰ اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرماوے کہ ان کی جگر سوزی نے میرے جیسے کتنے کوردہ انسانوں کو روشنی بخشی۔

رحمه الله رحمة واسعة، و تغمده الله بغفرانه و مغفرته. آمين!

☆☆☆☆☆

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعدؔ
جس پہ دو چار گھڑی ذکرِ خدا ہوتا ہے

حضرت مولانا محمد پانڈور صاحب سملکیؒ

(ولادت: تقریباً ۱۹۲۳ء بمقام جنوبی افریقہ

وفات: ۱۴۱۷ھ مطابق شبِ جمعہ ۳۰/اگست ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا محمد پانڈور صاحب سملک ڈابھیل کے باشندے تھے۔ ابتدائی دور افریقہ اور گجرات میں گزرا، اعلیٰ تعلیم ''دارالعلوم دیوبند'' میں حاصل فرمائی، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ و دیگر اساتذہ سے کسبِ فیض فرماتے رہے۔ ذہین اور وسیع المطالعہ عالم تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتابوں سے خصوصی شغف تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بَنوریؒ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مولانا نے آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کو دیکھ کر ''جامعہ ڈابھیل'' میں تدریس پر لگایا۔ عربی فارسی اور اردو کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ گجرات کے نوجوان علما میں بہت کم ایسے ستھرے ذوق کے مالک ہوں گے جیسا کہ مولانا کا ذوق تھا۔

ناچیز نے آپ سے ''ہدایہ اولین'' کا ایک حصہ اور ''دیوانِ متنبّی'' اسی جامعہ میں پڑھی۔ تفہیم بہت عمدہ تھی اور طلبا آپ کے درس سے خوش رہتے تھے۔

دعوت وتبلیغ کا شوق ہوا تو مہینوں تک سفر فرماتے رہے۔ تدریس چھوٹ گئی، پھر رادھن پور (شمالی گجرات) تشریف لے گئے اور وہاں وکیل کالے خان صاحب کے ساتھ مل کر ''شاہ ولی اللہ اکیڈمی'' قائم کی۔ رادھن پور چھوڑا تو احمد آباد پیر محمد شاہؒ

کی مسجد میں مقیم ہو گئے، اور وہاں نادر اور قیمتی مخطوطات کی ترتیب وتہذیب کے کام میں لگ گئے۔

ان کی جمعہ کی تقریر سننے احمد آباد کے تعلیم یافتہ لوگ 'پیر محمد شاہ' میں آجاتے تھے، حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ بندے کے ساتھ ہمیشہ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے رہے۔ موجودہ دور کے علما کی کم علمی؛ بدذوقی اور تنگ نظری کے بے حد شاکی تھے۔

احمد آباد حاضر ہوا تو پیر محمد شاہؒ(۱) میں جا کر ملاقات کی، مختلف قدیم وجدید کتابوں پر تبصرہ فرماتے رہے۔ ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' تشریف لائے تو وہاں کا نظم ونسق، کتب خانہ وغیرہ دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا؛ بل کہ چند ماہ بعد احمد آباد کے بعض سربرآوردہ لوگوں کو لے کر تشریف لائے، اور ان کو ترغیب دیتے رہے کہ احمد آباد میں اس طرح کی درس گاہ قائم کریں؛ مگر افسوس! ان کی موجودگی میں ایسی درس گاہ وہاں قائم نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جو ذہانت، عمدہ حافظہ اور ستھرا علمی ذوق عطا فرمایا تھا اس کے سبب ان سے بہت توقعات وابستہ تھیں؛ مگر......اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

احمد آباد کے قیام کے زمانے میں بہت سے پروفیسر، کالج و یونی ورسٹی کے اساتذہ نے فیض اٹھایا، آخری عمر میں پھر جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور وہیں عالمِ آخرت کا سفر فرمایا۔

---

(۱) یہ حضرت مفکر ملت مدظلہ کا چشم دید بیان ہے؛ البتہ مؤرخ گجرات مولانا عبدالحی بن مولانا حکیم کفلیتویؒ نے ''اکابرین گجرات: ۵/۶۲۰'' پر تحریر فرمایا ہے کہ مولانا محمد پانڈور صاحبؒ نے کتب خانۂ شاہ عالم میں قیام فرمایا ہے جو احمد آباد کا سب سے بڑا کتب خانہ ہے؛ مگر مولانا کی یہ بات صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ مذکورۂ بالا بیان حضرت کا پودروی مدظلہ کا چشم دید ہے؛ نیز سب سے بڑا کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ ہی میں ہے نہ کہ شاہ عالم میں۔ فاسئل المجرِب و لا تسئل (ابن) الحکیم في هذه المسئلة!

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیو بندیؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اصلاً سرحد کے باشندے تھے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے علما سے بہت محنت اور مجاہدہ سے حاصل فرمائی۔فرماتے تھے کہ دارالاقامہ کی شکل تو تھی نہیں،مسجدوں میں ٹھہر جاتے اور اساتذہ سے درس لیتے تھے۔ اساتذہ کے گھر کے کام کاج بھی کرتے تھے،پہاڑوں پر جاکر پانی کے مٹکے بھر لاتے۔ جلانے کے لیے لکڑیاں لاتے؛اور اگر استاذ اپنے کھیت میں ہل چلاتے تو ان کے ساتھ کھیت میں چلتے چلتے گردانیں سناتے تھے۔

صرف ونحو سے فارغ ہوکر فقہ واصول کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض متون حفظ کر لیے۔اصل میں قدیم علما کا یہی طرز تھا کہ ایک ایک فن کو حاصل کرتے جاتے تھے اور ہر فن کو اس کے ماہر اساتذہ کے پاس جاکر حاصل کرتے۔ ہر فن کا کوئی ایک متن ازبر کر لیتے،تمام فنون اور علومِ آلیہ سے فارغ ہوکر حدیث وتفسیر کے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ان علوم کو اس طرح حاصل کرنے میں کئی کئی سال گزر جاتے؛مگر جب فارغ ہوتے پختہ استعداد لے کر نکلتے تھے۔

مولانا فضل الرحمٰنؒ اپنے وطن سے ”دار العلوم دیو بند“ میں علمی تشنگی مٹانے تشریف لائے اور کئی سال میں تکمیل فرمائی،پھر دیو بند ہی کے ہوکر رہے۔محلّہ پٹھان پورہ میں مقیم ہوگئے۔شادی کرکے دیو بندی بن گئے۔

”جامعہ ڈابھیل“ میں تدریسی خدمات کے لیے ۱۹۵۰ء کے بعد تشریف لائے اور ہدایہ آخرین،مختصر المعانی اور ابوداؤد وغیرہ کتابوں کا درس پوری محنت سے دیتے رہے۔رات دو بجے تک مطالعہ کی عادت تھی۔ بندے نے آپ سے ”ہدایہ آخرین“ اور پھر ”ابو داؤد شریف“ پڑھی(۱)۔”ہدایہ آخرین“ ظہر بعد کے دو گھنٹوں میں ہوتی تھی،معمول یہ تھا کہ ایک گھنٹہ گزرنے پر کتاب بند کرکے پان کی ڈبیہ ہاتھ میں لے کر پان کھاتے تھے،اور کوئی دل چسپ قصہ سناتے،جس سے طلبہ میں نَشاط پیدا ہوجاتا اور دس منٹ کے بعد پھر سبق اسی سنجیدگی سے شروع فرماتے۔کبھی کبھی سبق کی تقریر بند کرکے سُوال کرتے کہ بتاؤ کہ اس مسئلے میں میں نے کیا کہا؟اگر طالبِ علم حاضر دماغی سے سنتا ہوتا تو تقریر کا اعادہ کر لیتا ورنہ خاموش رہتا۔اور اس صورت میں مولانا مرحوم اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرماتے،فرماتے کہ ”ہم تو آپ کی خاطر رات دو بجے تک جھک مارتے ہیں اور آپ لوگ توجہ سے سنتے بھی نہیں“۔

بسا اوقات دوسرے ساتھیوں کی خاموشی پر اس ناچیز کی طرف توجہ فرماتے اور فرماتے: چھوکرا تو کیا سمجھا ہے؟ میری کم عمری یعنی ۱۸/۱۹سال کی عمر تھی،ابھی ڈاڑھی بھی برابر نہ نکلی تھی؛اس لیے مولانا مجھے چھوکرا کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔اگر

(۱) نقوشِ بسم اللہ: ج ۲/ص ۱۲۶ پر حاشیے میں مذکور ہے کہ مولانا نے جامعہ میں ۱۳۶۷ھ تا ۱۳۶۸ھ ایک سال خدمت فرمائی ہے، یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ حضرت مفکرِ ملت دام ظلہٗ مولانا سے ”ہدایہ آخرین اور ابوداؤد شریف“ پڑھنے کا ذکر فرما رہے ہیں اور آپ کی فراغت ۱۳۷۲ھ میں ہے۔معلوم ہوا کہ ۱۳۷۲ھ میں مولانا ضرور موجود تھے،اور یہی صحیح ہے؛ اس لیے کہ ”تاریخِ جامعہ ڈابھیل“ میں ہے کہ ۱۳۶۹ھ میں آپ دوبارہ جامعہ میں تشریف لائے اور پھر ۱۳۷۴ھ میں مستعفی ہوئے۔اسماعیل عفی عنہ

تھوڑا بہت مطلب بیان کر دیا تو فرماتے ”تم سب بُز اخفش ہو یہ چھوکرا کچھ کچھ سمجھتا ہے“۔ جمعہ کے دن کمرے پر حاضر ہوتا اور مولانا رحمہ اللہ کے کمرے کی صفائی کر لیتا، مولانا بہت دعائیں دیتے۔ ڈابھیل کے بعد مولانا چھاپی اور وڈالی کے مدرسے میں بھی کئی سال شیخ الحدیث رہے اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ بہت سادہ زندگی کے عادی تھے۔ اسباق کی پابندی مثالی تھی۔ اور بغیر مطالعہ کبھی درس نہ دیتے تھے۔ دیوبند میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (۱)۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

☆☆☆☆☆

کرم اتنا تو مجھ پر اے جمالِ یار ہو جائے
نظر اٹھنے نہ پائے اور مجھے دیدار ہو جائے
فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذاتِ عالی میں
جو مجھ کو دیکھ لے اُس کو ترا دیدار ہو جائے
(نفیسؔ شاہ صاحبؒ)

---

(۱) نقوشِ بسم اللہ: ج ۲/ص ۱۲۶ پر محشی نے ذکر کیا ہے کہ آپ پاکستان تشریف لے گئے اور پھر وہیں انتقال ہوا، یہ اطلاع درست نہیں ہے، صحیح بات وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ

(ولادت: ۱۳۳۰ھ-۱۹۱۱ء/ وفات: ۶/رمضان ۱۴۲۳ھ-۱۲/نومبر ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاور کے علاقے کے باشندے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں واقفیت نہ ہوسکی؛ البتہ اعلیٰ تعلیم ”دار العلوم دیوبند“ میں ہوئی، اپنی محنت اور قابلیت کے سبب اساتذہ کے منظورِ نظر بن گئے۔ خصوصا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدِّس سِرُّہٗ کی نظرِ عنایت کے مستحق ہو گئے۔ حضرت مولاناؒ بھی حضرت شیخ الاسلام کے فدا کاروں میں تھے۔ حضرت کے مجاہدات اور خدمات کا بہت وقیع الفاظ میں ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ”دارالعلوم“ سے فارغ ہو کر رڑکی کے مدرسے میں حدیث شریف کے استاذ بن کر گئے اور وہاں سے ڈابھیل تشریف لائے۔ بہت جید الاستعداد اور خوش مذاق عالم تھے، طبیعت میں سلیقہ مندی اور نفاست اعلیٰ درجہ کی تھی۔

بندے نے مختصر المعانی، مشکاۃ شریف، مسلم شریف اور بخاری شریف جلد ثانی آپ ہی سے پڑھی۔ مولانا کی استعداد بہت پختہ تھی؛ اس لیے طالبِ علموں کے اعتراضات پر کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے؛ بل کہ فوراً الزامی اور پھر تحقیقی جواب سے مطمئن کر دیتے۔ اگر دو چار دن ایسے گزرے کہ کسی طالبِ علم نے کوئی سُوال نہ کیا تو فرماتے تھے ”مُردے کی طرح کیا بیٹھے ہو، کچھ پوچھو تو سہی تا کہ تمہارے سینگ توڑوں“۔

کھانے پینے کا ذوق بھی اعلیٰ تھا، ہمیشہ خالص دیسی گھی میں سالن تیار کراتے اور چائے بھی عمدہ نوش فرماتے تھے۔ چائے بنانے اور کھانے کا نظم کرنے کی ذمہ داری احقر کے ذمہ تھی؛ اس لیے روزانہ صبح شام کمرے پر حاضری ہوتی تھی۔

حضرت مولانا یوسف بَنوریؒ سے گہرا تعلق تھا، حضرت بَنُّوریؒ بھی اکثر کمرے پر تشریف لاتے اور علمی گفتگو ہوتی۔ حضرت بنوری کے مشورے سے عالمِ اسلام کے مشہور عالم شیخ محمد زاہد الکوثریؒ سے بھی خط و کتابت شروع فرمائی، اور شیخ نے حدیثِ پاک کے متعلق چند سُوالات بھیجے تو مولانا عبدالرؤف صاحب نے تشفی بخش جواب تحریر فرمائے۔ اس کے بعد شیخ محمد زاہد الکوثریؒ نے ان کو اپنی اجازتِ حدیث عنایت فرمائی۔ مولاناؒ نے شیخ کوثریؒ کا گرامی نامہ پڑھ کر سنایا تھا۔ اس کا ایک جملہ اب تک حافظہ میں محفوظ ہے، شیخ الکوثریؒ نے منجملہ اور نصائح کے لکھا تھا کہ ''کن في الفتنة كابن اللبون لا ضرع فيحلب و لا ظهر فيركب''(۱)۔

(۱) اس موقع پر شیخ زاہد الکوثریؒ کی ''التحرير الوجيز فيما يبتغيه المستجيز'' سے ان نصائح کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو شیخ نے استاذ خیری المصری کو اجازت دیتے وقت تحریر فرمائی تھیں، اُنہیں میں مذکورہ بالا جملہ بھی ہے، فرماتے ہیں: قال علي –كرم الله وجهه–: استغن عمن شئت تكن نظيره، واحتج إلى من شئت تكن أسيره. وقال أيضا: لا ترجونّ إلا ربك، و لا تخافنّ إلا ذنبك. و قال أيضا: كن في الفتنة كابن اللبون، لا ضرع فيحلب، و لا ظهر فيركب. و قال أيضا: لا تستنكفنّ إذا سئلت عما لا تعلم أن تقول لا أعلم، و تأبينّ إذا لم تعلم الشيء أن تعلَم. و تلك نصائح ثمينة صادرة من بيت النبوة مَن أخذ بها نجا و مَن نابذها هَلك اهـ۔ یہاں حضرت مفکر ملت مدظلہ کے حافظے کو بے اختیار داد دینی پڑتی ہے کہ بچپن کا سنا ہوا جملہ آج تک ان کے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ ہے؛ مولانا عبدالرؤف صاحب کی سندِ اجازت میں بھی یہ جملہ اسی طرح مذکور ہے۔ فبارك الله في عمره و متعنا بفيوضه. آمین! اسماعیل عفی عنہ

ایک بار خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کسی نائی کو دیکھا ہے کہ دوسرے کے اوزار لے کر حجامت بناتا ہو؟ عرض کیا نہیں۔ پھر فرمایا بڑھئی کو دیکھا ہے کہ دوسرے کے اوزار لے کر فرنیچر بناتا ہو؟ عرض کیا نہیں۔ اس کے بعد فرمایا تو پھر مولوی کیوں دوسروں کی کتابیں لے کر پڑھاتا ہے، اور تاکید فرمائی کہ فقہ، ادب، حدیث شریف، تفسیر کی ضروری کتابیں خریدنے کی عادت رکھو؛ تاکہ آہستہ آہستہ کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع ہو سکے۔ حضرت رحمہ اللہ کی اس نصیحت کا اثر ہوا اور پھر کتابیں خریدنا اور انہیں محفوظ کرنا شروع کیا جس سے مجھے مدرسہ میں اور گھر پر بہت نفع پہنچا۔

حضرت قرآنِ مجید بھی بہت صحت اور خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ مدرسہ میں اکثر فجر کی نماز کی امامت فرماتے۔ کمرے پر عِشا کے بعد باہر تشریف رکھتے تو عربی اشعار گنگناتے رہتے۔ عربی زبان کے یہ اشعار اکثر سنا کرتا ۔

أمرُّ على الديار ديار ليلىٰ　　أقبل ذا الجدار و ذا الجدار

و ما حب الديار شغفن قلبي　　ولكن حب من سكن الديار (۱)

ڈابھیل کے بعد پاکستان تشریف لے گئے، اور اکوڑہ خٹک اور دیگر مدارس میں حدیث شریف کا درس جاری رکھا۔ ''دارالعلوم دیوبند'' کے صد سالہ اجلاس میں دیوبند تشریف لائے تھے، بس یہ اس دنیا میں آخری ملاقات تھی اس کے دو تین سالوں بعد اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔

اللّٰهم اغفر له وارحمه و سكنه في الجنة !

(۱) دیوان الصبابۃ

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب پورہ معروفی اعظمی مظاہریؒ

(ولادت ۱۳۲۵ھ-۱۹۰۷ء

وفات: یکم شعبان ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء شب جمعہ)

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ خطۂ اعظم گڈھ کے مردم خیز قصبہ ''پورہ معروف'' کے باشندے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل فرمائی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ''مظاہر علوم سہارن پور'' تشریف لے گئے۔ مولانا نے وہاں کے جلیل القدر اساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا۔ ''جامعہ ڈابھیل'' میں کئی سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ حافظہ بہت عمدہ تھا، تقریر بہت صاف اور مرتب ہوتی تھی۔

ہم نے حضرت مولاناؒ سے جلالین شریف، نسائی شریف، بخاری شریف جلد اول پڑھی۔ ''جلالین شریف'' میں تفصیلی تقریر فرماتے تھے جو کئی تفاسیر کے مطالعہ کا نچوڑ ہوتا تھا۔ ''بخاری شریف'' کے سبق میں بھی ہر حدیث شریف پر مکمل کلام فرماتے تھے۔ زبان بہت سلیس ہوتی تھی؛ اس لیے کمزور استعداد کے طلبہ بھی منتفع ہوتے۔

زندگی تکلفات سے دور تھی، سادہ لباس اور معمولی غذا پر اکتفا فرماتے۔ اثنائے درس یا نجی مجلس میں کبھی بھی کسی استاذ یا عالم پر نہ طنز فرماتے اور نہ کسی بات پر تبصرہ فرماتے۔

مولانا بہترین واعظ تھے، ان کے وعظ بہت پُر اثر ہوا کرتے تھے۔ ہر پنج شنبہ کی شام ضلع سورت یا بھروچ کے کسی نہ کسی گاؤں میں وعظ کے لیے تشریف لے جاتے، اس سفر میں حضرت ہم خدام کو ساتھ رکھتے اور اپنی تقریر سے قبل دس پندرہ منٹ ہم سے بات کراتے، اگر کوئی قابلِ اصلاح بات ہوتی تو تنہائی میں سمجھاتے تھے۔ پھر حضرت کا وعظ شروع ہوتا جو ڈیڑھ یا دو گھنٹہ ہوتا، سامعین ہمہ تن گوش بن جاتے اور بسا اوقات مجمع میں چیخوں کی آواز سنائی دیتی۔

گجرات میں ہزاروں مسلمان آپ کے پُر اثر وعظ سے دینی زندگی اختیار کرنے لگے۔ حضرت مولاناؒ کی تقریروں میں تعلیم یافتہ حضرات بھی شرکت فرماتے اور متاثر ہو کر واپس ہوتے، بہت سے لوگ اصلاح وتربیت کے لیے آپ سے بیعت ہوتے تھے۔ طبیعت بے حد جفاکش تھی، ریل میں درجہ سوم میں سفر کرتے اور بلا تکلف او پر تختہ پر لیٹ جاتے۔ شبِ جمعہ اور شبِ ہفتہ کی بیداری اور سفر کے باوجود ہفتہ کے روز مدرسہ کے اوقات میں حاضری میں کبھی کوتاہی نہ فرماتے، اور پوری چستی اور نشاط کے ساتھ سبق پڑھاتے۔

''جامعہ ڈابھیل'' کے علاوہ ''جامعہ آنند'' میں بھی شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے، اور شمالی گجرات میں بھی وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری زندگی ''مدرسہ شاہی مراد آباد'' کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے گزری۔ بیرونی ممالک کے مسلمانوں کو بھی آپ کے ارشادات سے بہت نفع پہنچا۔ درس وتدریس اور وعظ و تقریر کے ساتھ ساتھ ''امداد الباری'' کے نام سے ''بخاری شریف'' کی مبسوط شرح

بھی مرتب فرمائی، جس کی متعدد جلدیں طبع ہو چکی ہیں(۱)۔آپ کے علم وفضل کا اندازہ اس شرح کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے اجازتِ بیعت بھی حاصل تھی۔سیکڑوں انسان آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تائب ہوئے۔

☆☆☆☆☆

علم انسان کو انسان بنا دیتا ہے
علم بے مایہ کو سلطان بنا دیتا ہے
علم اللہ جسے دے اُسے ایمان بھی دے
ورنہ یہ وہ ہے جو شیطان بنا دیتا ہے

(۱) امداد الباری کی ۴ر جلدیں، حضرتؒ کی حینِ حیات طبع ہو چکی تھیں؛ پھر آپ کے مُجاز حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ کی نظرِ ثانی اور اضافات کے ساتھ جلد پنجم تا ہفتم شائع ہوئیں۔

حضرت قاری بندۂ الٰہی میرٹھی صاحب مدظلہٗ

(ولادت: ۱۹۱۵ء)

’’جامعہ ڈابھیل‘‘ میں ہمارے تجوید کے اساتذہ میں سب سے پہلے استاذ قاری بندۂ الٰہی صاحب مدظلہ تھے۔ جب ڈابھیل تدریس کے لیے تشریف لائے تو شباب کا عالم تھا۔ وقت کے نہایت پابند اور محنتی استاذ تھے۔’’معرفۃ التجوید‘‘ شروع کرائی۔ سبق با قاعدہ سنتے اور مشق بھی کراتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کو مہتمِ مدرسہ مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ سے بہت تعلق تھا۔عموماً عصر کے بعد مفتی صاحب کے ساتھ تفریح میں ساتھ ہوتے۔ طبیعت میں بھولا پن اور بالکل مرنجاں مرنج قسم کے آدمی تھے۔طلبا کی اخلاقی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔طویل مدت تک ’’جامعہ‘‘ میں خدمت فرمائی۔ اس کے بعد تراج کے مدرسے میں خدمت دیتے رہے۔ قاری صاحب کے تقویٰ و پرہیز گاری کے سبب خاص و عام سب ہی ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اپنے فرزندوں کو حافظ وعالم بنایا جو کئی اداروں میں وقیع دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ قاری صاحب الحمدللہ! ضعیف العمری میں بھی سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر تلاوت، ذکر، نمازوں کا برابر اہتمام فرماتے ہیں۔ متشابہاتُ القرآن پر کتاب بھی تحریر فرمائی جو حفاظ کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی(۱)۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرما کر آپ کے فیض کو جاری وساری فرمائے۔ آمین!

(۱) یہ کتاب رموز المتشابہات کے نام سے مجلسِ دعوۃ الحق اون سے طبع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ

(ولادت: ۲۴؍رجب ۱۳۳۴ھ - ۷؍مئی ۱۹۱۶ء بروز یک شنبہ

وفات: ۲۸؍صفر ۱۴۱۷ھ - ۱۵؍جولائی ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب رحمہ اللہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کے باشندے تھے، اردو، عربی ادب سے خصوصی لگاؤ تھا، سہ روزہ ''مدینہ'' و ''زمزم'' کے ادارتی عملہ میں رہ چکے تھے۔ تاریخ پر بہت گہری نظر تھی؛ خصوصاً عرب و ہند کے تعلقات اور اس دور کے حالات آپ کا خصوصی موضوع تھا۔ ہمارے ابتدائی عربی کے سالوں میں ''جامعہ ڈابھیل'' میں مدرس ہو کر تشریف لائے، ان سے کوئی کتاب پڑھنے کا تو اتفاق نہیں ہوا؛ مگر ''بحر الآداب'' جو عربی ادب کی کتاب تھی اس کا امتحان قاضی صاحب کے پاس ہوتا تھا(۱)۔ طبیعت میں سادگی اور مشرقی یوپی کے لہجے میں گفتگو فرماتے تھے۔ امتحان کے دوران بھی عربی اردو الفاظ کے تلفظ کے درست کرنے پر زور دیتے، فرماتے: گرَم، نرَم صحیح تلفظ نہیں گرْم، نرْم کہنا چاہیے۔ عربی اردو املا پر خاص متوجہ فرماتے۔

عصر کے بعد اساتذہ کے کمرے - جو بنگلہ کہلاتے تھے - کے باہر کرسیاں لگتی تھیں اور اساتذہ وہاں تشریف رکھتے۔ چائے کا دور چلتا تھا اور پُر لطف علمی گفتگو یا کبھی

(۱) حضرت قاضی صاحبؒ کے سفرنامے سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے اُن سے پڑھا بھی تھا؛ مگر مذکورہ بالا بیان ہی صحیح ہے۔

سیاستِ حاضرہ پر بات ہوتی تھی۔ یہ کمرے ڈابھیل سے مرولی جانے والی سڑک کے کنارے تھے، اور باہر پانی کا نل لگا رہتا تھا، کھیت میں کام کرنے والے مزدور شام کو واپسی میں مدرسے کے احاطہ میں داخل ہو کر ہاتھ، پاؤں دھوتے اور پانی پیتے تھے۔ اس میں مرد بھی ہوتے اور عورتیں بھی۔ یہ مزدور عموماً اوپر تک کپڑا اٹھا کر پیر دھوتے تھے۔ قاضی صاحبؒ نے ایک دو بار یہ منظر دیکھا تو پھر ان مزدور عورتوں کو آتے دیکھتے ہی فرماتے ''بھائی کاشفات آ رہی ہیں کمرے میں چلو''۔ مستورات کے مقابل کاشفات کا لفظ سن کر سب محظوظ ہوتے اور مجلس برخواست ہو جاتی۔ مطالعۂ کتب کا بے حد شوق تھا، اکثر خالی گھنٹوں میں کتب خانے میں تشریف لے جا کر مطالعہ فرماتے رہتے۔ ''جامعہ'' سے علاحدہ ہو کر بمبئی میں قیام فرمایا تو بمبئی کے سفر میں ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، پورا کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا ہوتا، قاضی صاحب درمیان میں بیٹھ کر مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ چھوٹوں کی ہمت افزائی فرماتے، ہم نے آپ کی کتابوں سے بہت استفادہ کیا ہے۔ شیخ صالح یوسف معتوق کی کتاب کا اردو ترجمہ ''علامہ بدر الدین عینی اور علمِ حدیث میں ان کا نقشِ دوام'' طبع کرائی تو حضرت قاضی صاحبؒ کی خدمت میں بھی دو نسخے ارسال کئے۔ دعائیہ کلمات لکھے، اور مفید مشورے دیئے۔

''دار العلوم فلاحِ دارین'' کی ملاقات کی دعوت پیش کی تو قبول فرمائی اور تین روز ترکیسر اور ڈابھیل کے لیے طے فرمائے۔ سفر سے واپسی پر ''انقلاب'' میں تاثرات تحریر فرما کر ممنون فرمایا(۱)۔ بندے کی آخری ملاقات دہلی دفتر ''جمعیۃ علما''

میں ہوئی۔ حضرت قاضی صاحب کو عربی ادب اور ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ کا ایوارڈ ملنے والا تھا اسی مقصد سے دہلی تشریف لائے تھے۔ مدارس کے احوال اور علما کی مطالعہ کی عدمِ رغبت پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے تھے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے قلم سے بہت ہی مفید اور پُر از معلومات کتابیں نکلی ہیں جن سے ہم نے بھرپور استفادہ کیا۔ **فجزاه الله عن المسلمين أحسن الجزاء!**

(۱) یہ سفر ۱۲ ربیع الثانی مطابق ۲۸ رجون ۱۹۶۹ء میں ہوا تھا جس کی مفصل ودلچسپ روداد ''گجرات کا علمی سفر'' کے عنوان سے حوالۂ قرطاس فرمائی۔ یہ سفرنامہ ''قاضی اطہر مبارک پوری کے سفرنامے'' مرتبہ مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ

(ولادت ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء بمقام کاندھلہ ضلع مظفرنگر
وفات ۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء)

حضرت مولانا محمد مالک بن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بھی ہمارے ''جامعہ'' کے داخلے کے دو سال بعد تشریف لائے۔ خوب صورت چہرہ، بالکل کالی ڈاڑھی، ململ کا سفید کرتا پہن کر بڑے سج دھج کے رہتے تھے۔ ہم تو فارسی اور عربی اول کے درجہ میں تھے اور مولانا شرحِ وقایہ، مقامات وغیرہ متوسطات کا درس دیتے تھے، پھر ''مشکاۃ شریف'' پڑھانے لگے؛ البتہ جلسوں میں مولانا کی فصیح و بلیغ تقریر سننے کا موقع ملتا رہا۔ مولانا بے حد شُستہ زبان اور روانی سے تقریر فرماتے۔ بندے کے لیے ایسی عمدہ اردو زبان سننے کا یہ پہلا موقع تھا؛ اس لیے جب مولانا رحمہ اللہ کی تقریر کا علم ہوتا مدرسہ میں ہو، یا گاؤں میں کسی شادی وغیرہ کی تقریب میں، جلدی سے جلسے میں حاضری کی کوشش کرتا۔ جو طلبہ مولانا کے پاس درس لیتے تھے وہ ہمیشہ مولانا کے بارے میں تعریفی کلمات کہتے، ان کے علم کے گُن گاتے اور اپنی محبت وگرویدگی کا اظہار فرماتے تھے۔

حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کے ساتھ عصر کے بعد تفریح میں نکلنے کا معمول تھا۔ طبیعت میں بہت نزاکت اور بے حد حساس تھے۔ اگر کوئی طالبِ علم

بیڑی پی کر درس میں جاتا تو فوراً محسوس فرماتے تھے، اور اس کو درس گاہ سے باہر جانے کے لیے فرماتے؛ اس لیے بیڑی کے عادی طلبہ ان کے درس میں حاضر ہونے سے پہلے خوب منہ صاف کرتے یا پان کھا کر بیڑی کی بو زائل کرتے۔

ہندوستان سے جب پاکستان تشریف لے گئے تو وہاں مختلف اداروں میں حدیث وتفسیر کی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ بہت سالوں کے بعد شاید ''دارالعلوم'' کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر دیوبند میں دیکھا تو ڈاڑھی سفید ہو چکی تھی، اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے۔ ہمیں تو کیا پہچان سکتے، ملاقات کر کے دعا کی درخواست کی۔

اصولِ تفسیر پر مفید کتاب بھی لکھی جو طلبہ وعلما کے لیے بہت مفید ہے، بندے نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ تجریدِ صحیح مسلم، اصولِ تفسیر، منازل العرفان فی علوم القرآن، پیغامِ مسیح، تاریخِ حرمین، اسلامی مُعاشَرت، ردِّ قادیانیت، پردہ اور مسلمان خاتون وغیرہ مفید کتابیں تحریر فرمائیں۔ اصلاحی تعلق حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمیؒ سے قائم فرمایا اور انہی سے اجازتِ بیعت حاصل ہوئی (تفصیل کے لیے حیاتِ مالک ملاحظہ فرمائیں)۔

قاری محمد حسن امروہیؒ

(ولادت:۱۳۱۶ھ)

قاری محمد حسن امروہیؒ ہندوستان کے ممتاز قرا میں سے تھے۔ آپ نے قاری محمد صدیق میمن سنگھی سے ایک روایت سے تجوید سیکھی، چند سال ''مدرسہ عالیہ فرقانیہ'' لکھنؤ میں تدریسی خدمات انجام دیں، شاہی مسجد مرادآباد اور سورتی مسجد رنگون کے کئی سال تک خطیب رہے۔(۱) ''جامعہ ڈابھیل'' میں تدریسی خدمت انجام دینے تشریف لانے سے قبل ریاست ''قلات'' میں نواب آف قلات کی مسجد کے امام تھے۔ قرآن مجید نہایت عمدہ اور پُر درد لہجے میں تلاوت فرماتے تھے۔ نہایت سلیقہ مند اور پاکیزہ مزاج رکھتے تھے۔ جب درس گاہ میں پہلی بار تشریف لائے تو فوراً دروازے کے سامنے اور گرد وپیش سے طلبہ کے جوتے چپل اٹھوائے اور سیڑھی پر سلیقے سے رکھنے کے لیے فرمایا۔ کوّے کی آواز بھی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی، درس گاہ میں غُلیل رکھتے اور طالبِ علم کو حکم تھا کہ کوّے کو دیکھتے ہی غُلَیل سے کنکر مار کر بھگا دیا جائے۔ اگر کوئی طالبِ علم بغیر سلام کے داخل ہوتا فوراً واپس فرماتے۔ مشق کے لیے مسجد سے اوپر کے ہال میں بٹھاتے اور سبق سننے کے وقت طلب فرماتے۔ چند ماہ حضرت قاری صاحب

(۱) تذکرۂ قاریان ہند:۳/۷۳

سے مشق کرنے کی نوبت آئی۔ مرغا بنانے کا لفظ پہلی بار آپ ہی کی زبان سے بندے نے سنا تھا۔ فرماتے ''میاں اگر کل اس طرح سنایا تو مرغا بنا دوں گا''، بندے نے چھٹی کے بعد طلبا سے پوچھا کہ مرغا کس طرح بناتے ہیں، تب اس کی حقیقت سمجھ میں آئی۔ بہت ہی بارعب انسان تھے۔ کپڑے بھی اعلیٰ قسم کے زیبِ تن فرماتے۔ کبھی کبھی صبح کی نماز میں امامت فرماتے تو بعضے اساتذہ کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔ کھانے پینے کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، عمدہ کھانا پکوا کر اساتذہ کی دعوت فرماتے۔ مٹھائی کا بھی بہت شوق تھا، ان کی الماری میں سورت کی اچھی مٹھائی ہمیشہ موجود رہتی، طلبہ اور ان کے خدام خوب خوب مستفید ہوتے۔ ''جامعہ'' سے علاحدہ ہو کر غالباً دوبارہ پاکستان تشریف لے گئے اور وہیں وفات ہوئی۔

☆☆☆☆☆

قوتِ فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی عظمت پہ زوال آتا ہے
(اقبال)

علامہ شمس الحق افغانیؒ

(ولادت: ٧/رمضان المبارک ١٣١٨ھ مطابق ١٩٠٠ء بمقام ترنگ زئی ضلع پشاور
وفات: ٦/ذی قعدہ ١٤٠٣ھ مطابق ١٦/اگست ١٩٨٣ء)

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ ''دارالعلوم دیوبند'' کے فاضل اور برِ صغیر کے ممتاز اصحابِ درس علما میں تھے۔ ریاست ''قلات'' میں قاضی کا عہدہ بھی سنبھالا، اور درسِ حدیث بھی دیتے رہے۔ جب ہم فارسی درجۂ دوم میں تھے حضرت علامہ ''جامعہ ڈابھیل'' کے شیخ الحدیث بن کر تشریف لائے۔ سرحدی پٹھانوں کی طرح مضبوط جسم، سرخ چہرہ، بھاری آواز اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ عِشا کی اذان ہوتی تو بندہ درس گاہ سے نکل کر سیدھا بنگلے پر پہنچتا، اور علامہ کے لیے وضو کا لوٹا بھر کر رکھ دیتا۔ علامہ خاموشی سے دیکھتے رہتے، بعض مرتبہ دعائیہ کلمہ ارشاد فرمادیتے۔ مولانا اعلیٰ استعداد کے مالک تھے؛ حتیٰ کہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں بھی تدریس کے لیے کئی بار ان کو مدعو کیا گیا تھا۔

بہترین مقرر تھے، ڈابھیل میں غالباً تین سال قیام رہا۔ مختلف موقعوں پر تقریریں ہوئیں، **لقد جاء کم رسول من أنفسکم** کی آیت پر ہی تین سال تقریر ہوتی رہی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں علما پر جو ستم ڈھائے تھے اور عالمِ اسلام کو جس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اس کا زخم علما کے دلوں میں گہرا تھا؛ خصوصاً

شیخ الہندؒ کے شاگردوں اور متعلقین میں انگریزوں کا بغض کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کو بھی انگریزوں سے بے حد نفرت تھی، تقریر میں اکثر سفید چمڑی والے کتے، سفید فام لٹیرے وغیرہ الفاظ استعمال فرماتے اور مسلمانوں کو غلامی پر غیرت دلاتے تھے۔

حضرت مولانا کی تقریر ہی میں یہ شعر سنا ؎

صبح ہوتی ہے ، شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

فلسفہ اور کلام پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ''جامعہ'' کے اساتذہ بھی آپ سے استفادہ فرماتے۔ مولانا کی بھاری بھرکم شخصیت کے سبب ''جامعہ ڈابھیل'' کا وقار بڑھ گیا تھا، اور آپ سے استفادے کے لیے پنجاب، سرحد، یوپی اور بنگال کے طلبہ بھی ''جامعہ ڈابھیل'' آتے رہے۔ باوجود افغانی ہونے کے بہت رقیق القلب تھے۔ قاری محمد حسن امروہیؒ کی قراءۃ سن کر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ''انجمن اصلاح الکلام'' کے سالانہ جلسے میں بندہ اور ساتھیوں نے علامہ اقبالؒ کی نظم ؎

اے غنچۂ خوابیدہ چوں نرگسِ نگراں خیز
کاشانۂ ما رفت بتاراج غماں خیز
از نالۂ مرغ چمن ، از بانگِ اذاں خیز
از گرمئ ہنگامۂ آتشِ نفساں خیز
ازخوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

سنائی تو ''بسیار خوب بسیار خوب'' فرما کر ہمت افزائی فرمائی۔

جب اس کا آخری بند پڑھا گیا:

فریاد از فرنگ و دل آویزئ افرنگ
فریاد زِ شیرینئ و پرویزئ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزئ افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز(۱)

تو حضرت اقدس کے چہرے پر اس کا خاص اثر دیکھا گیا اور اس کو مکرر پڑھنے کا حکم فرمایا۔

دوبارہ پاکستان تشریف لے گئے اور برسوں تک درسِ حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ علوم القرآن، سوشلزم اور اسلام، اسلام ایک عالمگیر مذہب، معین القضاۃ والمفتین (عربی)، شرعی ضابطۂ دیوانی، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا موازنہ، عالمی مشکلات اور ان کا حل، آئینۂ آریہ، متنازعہ مسائل کا حقیقی حل، تصوف اور تعمیر کردار، اسلامی جہاد، احکام القرآن، مفردات القرآن وغیرہ مفید کتابیں تحریر فرمائیں۔ سیکڑوں طلبہ آپ کے علوم سے مستفید ہوئے۔

حضرت حکیم الامتؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد مولانا مفتی محمد حسنؒ سے تجدیدِ بیعت فرمائی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

---

(۱) زبورِ عجم: ۱۹

حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ

(ولادت: غالباً ۱۲۹۸ھ، وفات: ۵؍ربیع الاول ۱۳۷۱ھ-۵؍دسمبر ۱۹۵۱ء)

حضرت مولانا احمد بزرگؒ سملک ڈابھیل کے معروف ومشہور علما میں تھے۔

ہم جب ڈابھیل ''جامعہ'' میں تعلیم کے لیے حاضر ہوئے تو کثرت سے طلبہ کی زبانی آپ کا ذکرِ خیر سنتے رہے؛ اس لیے کہ ''جامعہ ڈابھیل'' کو ''مدرسہ تعلیم الدین'' سے جامعہ بنانے میں مولانا احمد بزرگؒ کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ، مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ وغیرہ اپنے زمانے کے اساطینِ علم وفضل آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ کے سبب ڈابھیل تشریف لائے تھے۔ اور آپ کا دورِ اہتمام ''جامعہ'' کا تابناک دور سمجھا گیا۔

ذی علم، مدبر، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا تعلق تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بھی خصوصی تعلق تھا، حضرتؒ کے مُجازِ بیعت بھی تھے۔ طالبِ علمی کے زمانے میں جمعہ کے روز کبھی کبھی سملک جا کر حضرت سے مصافحہ کرتے اور دعا کی درخواست کرتے تھے۔ نورانی چہرہ اور چہرے پر عبادت وریاضت کے آثار نمایاں تھے۔ سملک مسجد میں ذکرِ جہری فرماتے تو فجر سے قبل دور دور تک ذکر کی آواز پھیل جاتی تھی۔ ہندوستان کے اکابر علما سے ربط رکھتے تھے۔ رنگون اور افریقہ کا بھی سفر فرمایا۔ افتا کی خدمت بھی انجام دی تھی۔

سملک میں وفات ہوئی اور گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حضرت علامہ محمد یوسف بَنوریؒ

(ولادت: ۶؍ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ-۱۹۰۸ء

وفات: ۳؍ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ-۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء)

حضرت علامہ سید محمد یوسف بَنوریؒ(۱) ہندوپاک ہی نہیں عالمِ اسلام کے ممتاز علما میں تھے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ خصوصی اور آپ کے علوم کے ناشر تھے۔ عربی زبان وادب میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ فصیح عربی زبان بولنے اور لکھنے پر قدرتِ تامہ رکھتے تھے۔

ہم جب ڈابھیل داخل ہوئے تو مولاناؒ سملک میں مقیم رہ کر حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریرِ ترمذی عربی میں مرتب فرما رہے تھے۔

کبھی کبھی ''جامعہ'' میں تشریف لاتے تھے۔ اردو زبان بھی بہت صاف بولتے تھے۔ ''جمعیۃ العلما'' کے کاموں کی نسبت سے کبھی حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے حکم سے خدمتِ اقدس میں جانا پڑتا تھا۔ کم عمری کے سبب کوئی بات کرنے یا پوچھنے کی تو ہمت ہی نہیں ہوتی تھی؛ مگر زیارت ہو جاتی تھی۔

(۱) ''بَنُّوْرِی'' یہ ''بَنُّوْر'' کی طرف منسوب ہے جو صوبۂ پنجاب میں واقع ہے۔ ''نزہۃ الخواطر: ۵/۳'' اور ''شفاء العلیل شرح القول الجمیل'' میں اسے با کے فتحہ اور نون مشدد کے ضمہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔ چوں کہ آپ کا سلسلۂ نسب شیخ آدم بنوریؒ تک پہنچتا ہے اس لیے آپ کو بنوری کہا جاتا ہے؛ البتہ ''تحفۃ العنبر فی ہدی الشیخ محمد انور: ۲۵۴'' کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ یہ بنور علی وزن صبور کی طرف منسوب ہے۔ اور با کے کسرہ کے ساتھ جو زباں زد عام وخاص ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ اسماعیل غفرلہ!

بہت خوب صورت چہرہ، اعلیٰ لباس، دور سے دیکھ کر ہی آدمی مرعوب ہو جاتا تھا۔ سردیوں میں سبز عمامہ باندھتے تو چہرہ مزید بارونق ہو جاتا۔

جب ہم عربی درجات میں پہنچے، تو حضرت علامہ اصرارِ شدید کے بعد ''جامعہ'' میں ''بخاری شریف'' کے درس دینے پر راضی ہوئے تھے۔ اُن کی علمی گفتگو یا تقریر سمجھنے کی ہماری صلاحیت نہیں تھی؛ مگر عمومی جلسوں میں وعظ سنتے تھے اور کچھ استفادہ کر لیتے۔

استاذِ محترم مولانا عبدالرؤف پشاوریؒ کے ساتھ تعلقات تھے، تو کبھی کبھی اُن کے کمرے میں تشریف فرما ہوتے اور کچھ خدمت کا موقع مل جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ عربی زبان کے کتنے لغات آپ کو یاد ہیں؟ فرمایا کہ الحمدللہ! اس وقت تقریباً نوّے ہزار الفاظ حافظے میں محفوظ ہیں۔

۱۹۵۳ء میں حرم شریف میں شیخ قطبی کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے سنا، تو بندہ حیران ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے، اتنی فصیح اور طلاقت کے ساتھ عربی گفتگو کرتے اور کسی کو نہیں پایا۔

ڈابھیل کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔ پہلے ٹنڈو اللہ یار کے دارالعلوم میں، اور اس کے بعد کراچی میں خود عربی دارالعلوم کی بنیاد ڈالی، جو آج ''جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی'' کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

کئی سال کے بعد حرم شریف میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو مسکراتے ہوئے فرمایا ''چہرے سے شناسا ہوں، نام سے واقف نہیں'' بندے نے نام اور حضرت مولانا

عبدالرؤف صاحب کے خادم کی حیثیت سے تعارف کرایا، تو فرمایا، ہاں! اب یاد آ گیا۔

بندے نے قیام گاہ ''باب العمرۃ'' پر حاضر ہو کر درخواست کی کہ کاپی میں کوئی نصیحت تحریر فرما دیں، تو فوراً قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا۔

ألا كل شيء ما خلا اللّٰه باطل

وكل نعيم لامحالة زائل

محمد يوسف البنوري

نزيل حال مكة المكرمة زادها الله شرفا (باب العمرة)

ناچیز کو حضرتؒ کی ''تقریر ترمذی'' ودیگر کتب سے استفادے کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت بَنوری رحمۃ اللہ علیہ جب تک ڈابھیل سملک میں مقیم رہے، گجرات کے نوجوان علما کو علمی کاموں میں لگاتے رہے اور درس وتدریس میں ان کی بھرپور اعانت بھی فرماتے رہے۔ حضرت مولانا عبدالصمد کاچھویؒ (۱)- مدرس دارالعلوم اشرفیہ- مولانا محمد پانڈورسملکیؒ - مدرس جامعہ ڈابھیل- مولانا عبدالحی بسم اللہؒ وغیرہم علما کو ترقی کے منازل طے کرانے میں حضرت بَنوری رحمہ اللہ کا خاص حصہ رہا ہے۔

---

(۱) **حضرت مولانا عبدالصمد کاچھویؒ (ولادت: ۱۳۳۹ء-۱۹۲۳ء)**: فاضل دارالعلوم دیوبند واستاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر ومجاز بیعت حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ۔ ۱۹۲۳ء میں کالاکاچھا جیسے چھوٹے سے گاؤں میں ولادت ہوئی۔ ۸/سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرما کر علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد ایک سال حضرت شیخ الاسلامؒ کی صحبت میں رہ کر اجازت بیعت حاصل فرمائی۔ افسوس! کہ عمرِ عزیز کی صرف ۳۲/ بہاریں دیکھنے پائے تھے کہ داغِ مفارقت دے گئے۔ اور اب موسالی کے قبرستان میں محوِ خواب ہیں۔ آپ کا سانحۂ ارتحال ۱۵/صفر ۱۳۷۵-۲/اکتوبر ۱۹۵۵ء کو پیش آیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ

(ولادت: ۱۰؍رجب ۱۳۲۳ھ، بمقام عمری، ضلع مرادآباد، وفات: ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء)

حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب ''دارالعلوم'' کے ممتاز اساتذہ میں تھے۔

ناچیز ۱۹۴۸ء میں جب ''جامعہ ڈابھیل'' چھوڑ کر ''دارالعلوم دیوبند'' پہنچا اور ''کنزالدقائق، نفحۃ العرب'' کی جماعت میں داخلے کے لیے درخواست پیش کی، تو دفترِ تعلیمات سے داخلے کے امتحان کے لیے حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ کا اسمِ گرامی طے ہوا؛ مگر بعض سورتی احباب نے فرمایا کہ مولانا امتحان میں بہت سخت ہیں، اس لیے ابھی عذر کر دیا جائے۔ دو ماہ گزر گئے تو پھر حکم ملا کہ مولانا سید فخر الحسن صاحب کے پاس امتحان ہوگا، اب کب تک ٹالتے رہتے، ایک ہفتہ کے بعد مہتمم صاحبؒ کے دفتر کے بالائی حصے میں حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ کا کمرہ تھا، وہاں حاضر ہوا اور سلام کے بعد امتحان کی درخواست کی۔ گرجدار آواز میں فرمایا ''سورتی اب تک کہاں تھا؟ یاد رکھ! میدان گرم کردوں گا۔ یہ دارالعلوم ہے سمجھتا ہے؟'' یہ الفاظ سنتے ہی گھبراہٹ طاری ہوگئی اور نظریں جھکا کر خاموش بیٹھا رہا، تو فرمایا جاؤ کل تیسرے گھنٹے میں کتب خانے میں آجانا۔ رات بھر امتحان کا بھوت سوار رہا، اس لیے کہ جن کتابوں کا امتحان دینا تھا، ڈابھیل میں ان کو دیکھا بھی نہ تھا۔ کافیہ، نفحۃ الیمن، ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں امتحان کے لیے طے تھیں۔

اگلے روز وقتِ مقررہ پر کتب خانے میں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب بجنوریؒ ناظمِ کتب خانہ تھے۔ سلام کر کے حاضری کی غرض بیان کی، فرمایا ''ایک طرف بیٹھ جایئے، مولانا ابھی تھوڑی دیر میں تشریف لائیں گے''۔ حضرت مولانا چند منٹوں میں تشریف لے آئے، اور مولانا سلطان صاحبؒ کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگئے؛ اسی اثنا میں ایک اور صاحب تشریف لائے، لانبا قد، بھاری بھرکم جسم، دراز زلفیں، سیاہ فام۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا سلطان صاحبؒ نے ان کو خوش آمدید کہا اور مزاحیہ گفتگو شروع ہوگئی (بعد میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت دیوبند کے مشہو شاعر انور صابری صاحب ہیں)۔

اِن حضرات کی دلچسپ گفتگو جاری تھی اور بندہ ایک طرف فکرمند بیٹھا ہوا تھا۔ انور صابری مرحوم بار بار میری طرف نظر کرتے، پھر مولانا سے پوچھا، اِس مسکین کو کیوں بیٹھا رکھا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کا امتحان لینا ہے۔ انہوں نے سُوال کیا یہ کن کتابوں کا امتحان دینے والے ہیں؟ حضرت نے فرمایا ''کافیہ، نفحۃ الیمن'' وغیرہ۔ اس پر صابری صاحب فرمانے لگے ''مولانا! یہ تو ویسے ہی کمزور سا ہے اور امتحان کے خوف سے اس کا خون خشک ہو رہا ہے؛ اس لیے آپ اس کو نمٹا دیجیے، اس لیے کہ بچپن میں میرا بھی ایسا ہی حال ہوا تھا''۔ مولانا مسکرائے، اور مولوی محمد حنیف صاحب کو آواز دی کہ ''کافیہ''، ''نفحۃ الیمن'' لایئے، انہوں نے فوراً کتابیں پیش کر دیں۔ مولانا نے ''نفحۃ الیمن'' کھول کر ایک حکایت پڑھنے کے لیے فرمایا۔

ڈابھیل میں ''روضۃ الادب''، ''عربی کا معلم'' اور ''بحر الآداب'' پڑھ چکے تھے؛ اس لیے ''نفحۃ الیمن'' کی عبارت پڑھنے میں مشکل پیش نہیں آئی۔ مولانا نے

ایک دولفظ پر اعراب دریافت فرمائے اور فرمایا جاؤ فارم دفترِ تعلیمات میں جائے گا۔

دو تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ ''اصول الشاشی'' کے علاوہ باقی مطلوبہ کتابیں پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور مطبخ سے کھانا بھی منظور ہو چکا ہے۔ اس موقع پر صابری صاحب کا دل ہی دل میں شکریہ ادا کرتا رہا کہ اگر یہ حضرت اس طرح سفارش نہ فرماتے تو معلوم نہیں کیسی رگڑائی ہوتی، اور شاید داخلہ بھی منظور نہ ہوتا۔ نتیجہ معلوم ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کتب خانے سے کتابیں حاصل کر کے باقاعدہ درس میں شامل ہونے لگا۔ ''کنز الدقائق'' مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کے پاس، ''شرحِ جامی'' حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے پاس، ''نفحۃ العرب'' مولانا سید حسن دیوبندیؒ کے پاس ہونے لگی۔

یہ زمانہ مولانا فخر الحسنؒ کی تدریس کے شباب کا دور تھا، بغیر آلۂ مُـکَبِّـرُ الصَّـوْت کے پوری درس گاہ مولانا کی آواز سے گونجتی رہتی۔ میری عمر کم تھی، سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، پچھلی صفوں میں دَبْ کر بیٹھ جاتا تھا۔

حضرت مولاناؒ کو شاعری کا بھی اچھا ذوق تھا، کبھی کبھی غالبؔ، میرؔ، دردؔ وغیرہ شعرا کے اشعار بھی حسبِ موقع سناتے تھے؛ خاص طور سے ''مختصر المعانی'' کے سبق میں اردو اشعار سناتے تھے ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

اور اب تو خط آنے لگا، شاید کہ خط آنے لگیں، وغیرہ آپ ہی کی زبانی سنا تھا۔

یہ ''دارالعلوم دیوبند'' کا میرا پہلا دور تھا، پھر ۶۰،۱۹۵۹ء میں جب مولوی اسماعیل گارڈی صاحب کے فرزندوں کے ساتھ ''دارالعلوم'' میں دو سال قیام رہا، حضرتؒ سے اکثر ملنا ہوتا رہا۔ ''بیضاوی شریف'' کے درس میں بغرضِ سَماعت حاضر ہوتا رہا اور مختلف مسائل میں مشورہ بھی کرتا رہا۔

حضرت مولانا فخر الحسنؒ نے کئی مرتبہ گھر پر مدعو کر کے کھانا بھی کھلایا۔ مولاناؒ اصرار فرماتے رہے کہ دورے میں داخلہ کرالوں، تاکہ ''دارالعلوم'' کی سند مل سکے؛ مگر معلوم نہیں کیوں طبیعت مائل نہ ہوئی اور سَماعت پر ہی اکتفا کرتا رہا۔

''دارالعلوم'' سے نکلنے اور ڈابھیل اور ترکیسر کے تدریس و نظامت کے دور میں بھی بارہا دیوبند حاضری ہوتی رہی، اور ہر حاضری پر حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہونے اور مشورہ کرنے کی سعادت ملی۔ مدرسہ کے حالات تفصیل سے پوچھتے اور مدرسین کے بارے میں بھی سُوالات فرماتے۔ اگر مدرس کی ضرورت ہوتی تو اپنے شاگردوں میں سے قابلِ اعتماد فضلا کا نام بتلاتے تھے۔

آخری حاضری ہوئی تو صاحبِ فراش تھے، آواز کمزور ہو چکی تھی، پھر بھی حسبِ معمول شفقت فرماتے رہے۔ آہ! وہ ذات جس کی گرج دار آواز سے ''دارالعلوم'' کے در و دیوار گونجتے تھے، آج اس حالت میں ہے کہ مشکل سے بول سکتے ہیں۔

بالآخر وقتِ موعود آپہنچا، اور ''دارالعلوم'' کا یہ قدیم خادم اپنے مولیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ **إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون!**

حضرت مولانانصیراحمدخان صاحبؒ

(ولادت:۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۵ھ-۱۹۱۶ء

وفات:۱۹؍صفر۱۴۳۱ھ-۴؍فروری ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانانصیراحمدخان صاحب ''دارالعلوم دیوبند'' کے ممتاز اساتذہ میں ہیں۔علمائے سلف کانمونہ،وقارومتانت کامجسمہ۔''دارالعلوم'' میں داخلے کے بعد میرا پہلاسبق ''کنزالدقائق'' حضرت مولانا مدظلہٗ (۱) کے پاس ہی تھا، ہرمسئلے کی صاف وضاحت،روزانہ پابندی سے مقررہ مقدار کاسبق ہوتا۔چہرے پرخاص انداز کی مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی،شرکائے درس سب ہی مطمئن ومسرور،آپ کے درس میں ہروقت حاضرہوجاتے تھے۔

دوسرے سال جب دیوبندحاضری ہوئی تو''شرحِ وقایہ'' کاسبق آپ ہی کے پاس شروع ہوا؛مگربندہ سخت علالت کے سبب اواخرِ محرم یاصفرمیں گھرواپس ہوگیا۔

مولانابرابرتعلیمی ترقی فرماتے رہےاورآج کل''بخاری شریف'' کا درس آپ ہی کوسپردہواہے۔نیابتِ اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھالی،طلبہ کےساتھ بےحد شفقت اورمحبت سے پیش آتے رہے۔

---

(۱)اب رحمہ اللہ ہوگئے۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے کاموں کےسلسلے میں جب بھی دیوبندحاضر ہوا،ان سے ملاقات کے بغیرکبھی واپس نہیں ہوا۔مدرسے کےاحوال معلوم فرماتے، اگراستاذکی ضرورت ہوتی توفضلائے دارالعلوم میں جومحنتی اورقابلِ اعتمادہوتے ان کانام اورپتہ کی نشاندہی فرماتے،بعض مرتبہ سفارشی خط تحریرفرماتے۔

جب بھی مکان پرحاضری ہوتی، چائے ناشتے سے تواضع فرماتے۔یہ ان اساتذہ کی عظمت ہی کی دلیل تھی کہ اپنے ادنیٰ شاگردوں کوبھی محبت واکرام سے نوازتے رہتے۔ہرجمعہ کوجامع مسجد میں جلدی تشریف لےجاتے اورصلاۃ التسبیح ادا فرماتے۔

چہرے پرعلم وتقویٰ کا نور چمکتا رہتا تھا۔سیاست سے ہمیشہ دورہی رہتے تھے۔تعلیم وتربیت ہی مقصدِ زندگی بنالیا تھا۔اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کوشرفِ قبولیت نصیب فرمائے۔آمین!

☆☆☆☆☆

قبرکے چوکھٹے خالی ہیں اُنہیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر لگا دی جائے
(احسان دانش)

حضرت مولانا سید معراج الحق صاحبؒ

(ولادت: رجب المرجب ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، بمقام دیوبند
وفات: ۷/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ/۱۸/اگست ۱۹۹۱ء)

حضرت مولانا معراج الحق صاحب بھی ''دار العلوم دیوبند'' کے مشہور اور باصول اساتذہ میں تھے۔ ۱۹۴۹ء میں جب ''شرحِ وقایہ'' اور ''مقاماتِ حریری'' کے اسباق شروع ہوئے تو ''مقاماتِ حریری'' حضرتؒ کے پاس شروع کی۔ مولانا کا مقامات کا درس مشہور تھا، ہر لفظ کی تحقیق فرماتے اور عبارت کا سلیس ترجمہ کرتے جاتے۔ صرف چار مقامات کا سبق سننے کا موقع ملا، اس کے بعد علالت کے سبب گجرات واپسی ہوگئی؛ مگر اس چار مقامے نے بندے کو بہت ہی نفع پہنچایا۔ ناچیز کے پاس اس کی کاپی موجود تھی، تدریس کے زمانے میں اس سے بہت نفع ہوا۔

پھر جب ۵۹-۱۹۵۸ء میں دوبارہ ''دارالعلوم'' میں حاضری ہوئی اور خیال ہوا کہ حضرت مولاناؒ سے استفادہ کرنا چاہیے، خدمتِ والا میں حاضر ہوکر ''متنبیّ'' کے درس میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ مولانا کے پاس سَماعت والوں کے لیے کم ہی گنجائش نکلتی تھی؛ مگر فرمایا کہ اگر پابندی سے آنے کا وعدہ کرتے ہو تو اجازت ہے۔ بندے نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ! پابندی سے حاضری ہوگی۔ اور الحمدللہ! پورے سال میں دو روز کے علاوہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

''دیوانِ متنبیّ'' کے اشعار کی بہترین تفہیم فرماتے اور شعرائے جاہلیت یا ''ابوتمام'' کے اشعار سنا کر موازنہ فرماتے کہ دیکھیے اسی معنی کو ''ابوتمام'' یوں ادا کرتے ہیں۔

مولانا بہت باوقار اور سنجیدہ طبیعت کے استاذ تھے۔ نظم وضبط اعلیٰ درجے کا تھا۔ اگر تپائی ٹیڑھی ہوتی تو سبق شروع نہ ہوتا، خاموشی سے بیٹھ جاتے اور چہرہ بدل جاتا۔ پھر فرماتے کہ جن لوگوں کو سلیقے سے بیٹھنے اور تپائی رکھنے کی تمیز نہ ہو، ان کو کیا پڑھایا جائے!! طلبہ جلد جلد صفیں درست کرتے اور سبق شروع ہوتا۔

بندے کا ضابطے کا داخلہ نہیں تھا؛ مگر پوری پابندی اور مولانا کے مزاج کی رعایت رکھتا۔ مولانا بھی شفقت کا معاملہ فرمانے لگے، حتی کہ علالت کے دنوں کمرے میں تشریف لاکر مزاج پرسی کی، طلبا نے دیکھا تو کہنے لگے، ہم نے پہلی مرتبہ مولانا کو اس طرح طلبہ کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔

مولانا ترقی کرتے کرتے ''ہدایہ آخرین'' اور حدیث شریف کے اسباق بھی پڑھانے لگے، اور کچھ مدت کے لیے نائب مہتمم بھی رہے۔

۱۹۶۸ء میں ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے کتب خانہ کے لیے فراہمیٔ کتب کے سلسلے میں بندے نے عراق، اردن اور سعودیہ کا سفر کیا، اور مدینہ منورہ کے ''المكتبة العلمية'' سے کافی کتابیں خریدیں، ان کو لے کر جُدّہ سے سمُندری جہاز پر بالکل آخری وقت پر سوار ہوا۔ جہاز کے چلنے کے بعد جب اِدھر اُدھر گشت لگایا تو حضرت مولاناؒ کو ایک جگہ تشریف فرما دیکھا، ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے؛ پھر روزانہ دو گھنٹہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی۔

خرید کردہ کتابوں کی فہرست دیکھی تو بہت خوش ہوئے کہ اساتذہ کے لیے مراجع کی اکثر کتابیں آ گئی ہیں۔ مدرسے میں تعلیم کی پختگی اور نظم وضبط قائم رکھنے، طلبا میں سلیقہ مندی پیدا کرنے کی تاکید فرماتے رہے۔

جہاز میں پنج وقتہ نماز کے لیے ایک جگہ مقرر تھی، جہاں حُجّاج جماعت سے نماز ادا کرتے۔ نماز کے علاوہ اوقات میں لوگ وہاں بیٹھتے، تفریح کرتے۔ ایک حاجی صاحب ریڈیو سننے لگے، تو ایک میواتی حاجی بہت خفا ہوئے کہ یہاں نماز ہوتی ہے اور تم یہاں ریڈیو بجاتے ہو، حضرت مولاناؒ اور ناچیز بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ ”حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی محنت کا یہ اثر ہے کہ ”میوات“ کے رہنے والے اس دیہاتی کی دینی حمیت اور حس اس درجہ پختہ ہوگئی کہ یہ مسجد تو نہیں؛ مگر جماعت ہوتی ہے، تو اس جگہ ریڈیو سننا اس کو گوارا نہ ہوا“۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے اخلاص وللّٰہیت نے ماحول کس قدر بدل دیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً!

”دارالعلوم“ بار بار حاضر ہوتا، ایسا شاید ہی ہوا ہو کہ حضرت نے کمرے پر مدعو نہ کیا ہو۔ خود ہی چائے تیار فرماتے اور بسکٹ وغیرہ منگوا کر کرم فرماتے۔ ایک بار عرض کیا ”حضرت! آپ چائے بنائیں اور ہم بیٹھے رہیں، یہ تو اچھا نہیں لگتا؛ بل کہ شرمندگی ہوتی ہے“، فرمایا کوئی بات نہیں، آپ میرے ذوق کی چائے نہ بنا سکیں گے۔

نیابتِ اہتمام کے زمانے میں حاضری ہوئی تو فرمایا کہ کتنے دن قیام کا ارادہ ہے؟ عرض کیا، دو روز قیام کا ارادہ کیا ہے، فرمایا کہ طلبا سے ملو اور یہ معلوم کرو کہ میرے انتظام سے ان کو اطمینان ہے یا کوئی شکایت، اگر شکایت ہو تو مجھے اطلاع کرو۔ حضرت مولاناؒ کی اس بے نفسی اور فکرمندی سے بڑا سبق حاصل ہوا۔

”الیقظۃ“ نامی ایک عربی جریدہ رفیقِ محترم مولانا عمید الزماں کیرانوی کے ساتھ مل کر شروع کیا تو ہمت افزائی فرمائی۔

ایک مجلس میں ناچیز نے دریافت کیا کہ حضرت! اب اس زمانے میں پہلے جیسی استعداد والے فضلا کیوں تیار نہیں ہوتے؟ ”فرمایا کہ پہلے زمانے میں ابتدائی ”صرف ونحو“ کی کتابیں اور ”فقہ، اصول، ادب، فلسفہ، منطق“ کی کتابیں محنت سے پڑھتے تھے۔ اور اس میں اتنا وقت لگتا تھا کہ اُن کی ذہنی صلاحیت اور قوتِ اخذ پختہ ہو جاتی تھی؛ اس کے بعد ”ہدایہ آخرین، حسامی، بیضاوی“ اور دیگر علیا کی کتب سمجھنا ان کے لیے آسان ہوتا تھا۔ اب جو طلبا کم عمری میں اوپر کے درجے میں پہنچ جاتے ہیں اُن کی ذہنی صلاحیت اِن اونچی کتابوں کے دلائل سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہوتی“۔ فرمایا کہ ”ہدایہ آخرین“ میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہو رہا ہے۔

ساری زندگی تجرد کی گزاری۔ بعض طلبا کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولاد کی طرح ان کی ناز برداری فرماتے۔ مرغیاں، بکریاں پالنے کا بھی شوق تھا؛ ان جانوروں کی دیکھ بھال بہتر طریقے پر فرماتے تھے۔

دارالاقامہ میں ایک ہی ضلع اور وطن کے لڑکوں کو ساتھ رکھنا مفید نہیں سمجھتے تھے؛ بل کہ فرماتے کہ الگ الگ صوبہ اور ضلع کے لڑکوں کو رکھنا چاہیے؛ تاکہ طلبا مختلف صوبوں کے طلبا کی زبان اور عادات سے واقف ہوں۔

حضرت مولاناؒ بظاہر سخت مزاج معلوم ہوتے تھے؛ مگر حقیقتاً بہت نرم دل تھے۔ لوگ اصول کی پابندی اور نظم وضبط کی سختی کو بھی ”سخت مزاجی“ کہہ دیتے ہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی خدمات قَبول فرما کر اعلیٰ درجہ عطا فرماوے۔ آمین!

حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ

(ولادت: ۱۳۳۴ھ، وفات: ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ، بمقام دیوبند)

حضرت مولانا سید حسن بن مولانا نبیہ حسن دیوبندیؒ دیوبند کے باشندے تھے اور ''دارالعلوم'' کے ہونہار اور ذہین اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ناچیز نے حضرت مولاناؒ سے ''نفحۃ العرب'' پڑھی، بہت تیز تقریر فرماتے، مطالعہ وسیع تھا؛ اس لیے سبق میں بہت سی معلومات پیش فرماتے۔

طبیعت میں بہت سادگی تھی۔ اثنائے درس سُوالات کرنے کی بھی عادت تھی، ایک دوبار بندے کے جواب سے خوش ہوئے تو محترم مولانا عبدالحق عمرجیؒ(۱) سے- جواُس زمانے میں ''دارالعلوم'' میں ''انجمنِ ثمرۃ التربیت'' کے صدر اور سورتیوں

---

(۱) **مولانا عبدالحق صاحب عمرجیؒ**: فاضل دارالعلوم دیوبند، مُجاز حضرت مسیح الامتؒ، بانی جامعہ حقانیہ کٹھور، صدر جمعیۃ علمائے ناٹال جنوبی افریقہ ورکن شوریٰ مدارسِ جنوبی افریقہ۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں جنوبی افریقہ میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والد حضرت تھانویؒ کے مرید تھے۔ جامعہ حسینیہ راندیر ودارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے سندِ فضیلت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے رفقا میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ تھے۔ ۱۹۸۷ء میں جامعہ حقانیہ کٹھور کی نشأۃ ثانیہ فرمائی۔ فراغت کے بعد جنوبی افریقہ میں زبردست خدمات انجام دیں۔ جمعیۃ علمائے افریقہ کی بنیاد ڈالی اور وفاق المدارس کے لیے تحریک فرمائی۔ افریقہ کے تقریباً تمام مدارس کے رکنِ شوریٰ یا صدر رہے۔ افسوس! کہ علم وفضل کا یہ آفتاب ۲۴/ جنوری ۲۰۰۳ء بروز جمعہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، اور اب اپنے وطن کٹھور میں اپنے ہی ہم نام بزرگ جامعہ حقانیہ کے بانیٔ اول حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ کے جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ رحمه الله رحمةً واسعةً!

کے لیڈر سمجھے جاتے تھے- فرمایا کہ تمہارا یہ سورتی بچہ ذہین ہے، اس کا خیال رکھیں اور اس کی نگرانی فرماتے رہیں۔

ہمارے شرکائے درس میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دو فرزندِ ارجمند ''مولوی سعید احمد اور مولوی محمد'' بھی شامل تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی نسبت سے اساتذہ ان کا خیال رکھتے تھے؛ اس لیے بعض مرتبہ جو بات ہم پوچھنے کی ہمت نہ کرتے ان کے ذریعے پوچھ لیتے تھے۔

مولانا سید حسن رحمہ اللہ گھر پر کتابیں فروخت کرنے کا بھی مشغلہ رکھتے، اس لیے کبھی کبھی دولت کدے پر حاضر ہوکر کتابیں خریدتے۔ مولاناؒ نئی کتابیں نکالتے اور ان کی افادیت بتاتے۔ ناچیز سے فرماتے کہ ''سورتیوں کو کھانے پینے کا شوق بہت ہے، کتابیں خریدنے کی رغبت نہیں؛ حالاں کہ مطالعہ کے بغیر آدمی عملی ترقی کر ہی نہیں سکتا''۔

جب مولاناؒ کو ''دارالعلوم'' میں ''مشکاۃ شریف'' ملی، تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر مجھے ''مشکاۃ شریف'' کے درس کی اجازت ملے گی تو مٹھائی کھلاؤں گا، تو پہلے ہنس کر فرمایا: **كلام الليل يمحوه النهار**؛ مگر مولوی محمد لدھیانوی نے کہا ''حضرت! ہم تو گھر پر آئیں گے اور مٹھائی کے بغیر نکلیں گے نہیں'' تو فرمایا کہ اچھا عصر بعد آجانا، اور حضرت نے عمدہ مٹھائی منگوا کر کھلائی۔

حضرت نے فضائلِ درود شریف میں ''**هَبُّ النَّسِيمِ**'' نامی عمدہ کتاب بھی اسی زمانے میں تالیف فرمائی تھی۔ حافظہ بہت اچھا تھا؛ اس لیے متقدمین کی کتابوں کے حوالے اکثر پیش فرماتے۔ تفسیر میں بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ بہت کم عمری میں وفات پائی۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون!**

حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ

(وفات: یکم ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ-۱۳؍نومبر ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ بھی ''دارالعلوم'' کے مقبول ترین اساتذہ میں تھے۔ضوابط کے بے حد پابند، بارعب اور اصولی استاذ تھے۔

''دارالعلوم'' میں جب دوسری بار حاضری ہوئی تو حضرت مولاناؒ سے ''ہدایہ اولین'' اور ''حسامی'' کی سَماعت کی اجازت چاہی، حضرتؒ نے ازراہِ عنایت اجازت مرحمت فرمائی، اور الحمدللہ پورے سال پابندی سے درس میں حاضری کا موقع ملا۔

''ہدایہ اولین'' کے روزانہ تین صفحات کا سبق پڑھاتے، معنی خیز ترجمہ اور ضروری شرح فرماتے تھے؛ مگر کتاب اچھی طرح حل ہوجاتی۔اثنائے سبق کسی کو اٹھنے کی اجازت نہ تھی، اگر کوئی طالبِ علم اٹھتا تو اس کی ایسی گت بناتے کہ پھر سال بھر اٹھنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔

متقی اور پرہیزگار عالم تھے، تکلّفات بالکل پسند نہ تھے، اگر کوئی طالبِ علم پان کھا کر چشمہ لگا کر آتا تو اس کی برابر خبر لیتے، کسی بڑے سے بڑے طالبِ علم کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ذرا بھی خلاف ورزی کرے؛ البتہ گھر پر جاتے تو نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے اور ماحضر پیش فرماتے۔امتحان سختی سے لیتے تھے؛ مگر بہت کم فیل کرتے۔

درس کے وقت طلبا کی نشست و برخاست پر بھی نظر رکھتے تھے۔ایک مرتبہ پچھلی صف میں کسی طالبِ علم کو چوزانو بیٹھ کر پیر ہلاتے دیکھا، تو فرمایا: اے بنتِ لبون! تجھے سبق میں بیٹھنے کی بھی تمیز نہیں، تمام طلبا ہنس پڑے، اور کئی روز تک اس کی گت بنتی رہی۔حاضری روزانہ لی جاتی تھی، اگر بغیر اطلاع کے طالبِ علم غیر حاضر رہتا تو دوسرے روز ضرور باز پرس ہوتی، اس لیے طلبا بہت کم غیر حاضری کرتے اور عذر ہوتا تو درخواست پیش کرتے۔

☆☆☆☆☆

حضورِ محمدؐ سے گھر گھر اجالا
ظہورِ محمدؐ سے گھر گھر اجالا
بنایا خدا نے سراجاً منیراً
ہے نورِ محمدؐ سے گھر گھر اجالا
(نفیس)

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ

(ولادت: ۱۳۰۱ھ بمقام شاہ جہاں پور، وفات: ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ)

حضرت مولانا مفتی مہدی حسنؒ برِصغیر کے ممتاز علما اور گروہِ اصحابِ فتویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ راندیر اور سورت میں طویل عرصے تک قیام رہا۔ فقہِ حنفی ہی نہیں مذاہبِ اربعہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔

ڈابھیل کی طالبِ علمی کے ابتدائی دور میں سورت میں ملاقات ہوئی، کچھ رسائل جو غیر مقلدین کے جواب میں لکھے تھے، عنایت فرمائے۔ مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی(۱) جو مسلکِ اہلِ حدیث کے عالم تھے، کبھی کبھی احناف کے خلاف کتابچے شائع کرتے رہتے تھے، مفتی صاحب اس کا منہ توڑ جواب تحریر فرماتے تھے۔

(۱) **مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودیؒ:** ۱۵،۱۳۱۴ھ میں سامرود ضلع سورت میں پیدا ہوئے، مدرسہ عبد الرب دہلی سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی، مولانا ابو محمد عبد الوہاب بن شیخ محمد ملتانی اور سید محمد بدر الدین دمشقی رحمہم اللہ سے اجازتِ حدیث حاصل فرمائی۔ عمر کا اکثر حصہ درس و تدریس وتصنیف و تالیف میں گذرا، جماعتِ اہلِ حدیث کے ممتاز علما میں تھے۔ زهـــرة رياض الأبرار، إعلام منن الغني في تلخيص الضعفاء و المتروكين من كتاب أبي الحسن الدار قطني، نسيم الرياحين من رياض الصالحين وغیرہ متعدد کتابیں تالیف فرمائیں۔ حضرت مفتی مہدی حسنؒ کے ساتھ برسوں نوک جھونک چلتی رہی جس کا نمونہ ''مجموعۂ رسائل'' مطبوعہ دار العلوم دیوبند میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ۷/شعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۶/ستمبر ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ رحلت فرمائی۔ فرحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعةً، و سامحنا الله و إياه برحمته الكاملة. آمين!

بچپن میں خود ہمارے گاؤں ''کاپودرا'' میں حضرت مفتی صاحبؒ کا بیان تھا؛ مگر اس وقت عمر سات آٹھ برس ہوگی، تقریر تو کیا سمجھ میں آتی؛ مگر ان کی نورانی شکل ذہن میں اسی وقت بیٹھ گئی تھی۔

''کاپودرا'' میں اُس زمانے میں مسلمانوں کی دو جماعتیں بن گئی تھیں: (۱) وہ لوگ جن کا اصلاحی تعلق حضرت تھانویؒ سے ہوگیا تھا، اور اکابرِ دیوبند کے مسلک اور فتاویٰ کے مطابق عمل کرتے تھے۔ (۲) جو قدیم رسم ورَواج اور مروجہ بدعات کو پکڑے ہوئے تھے۔ نمبر ایک جماعت کو ''اشرفیہ پارٹی'' کہا جاتا تھا۔ والد مرحوم بھی، منشی محمود قاسمؒ، محمود پٹیلؒ اور جناب محمد پانڈور صاحبؒ وغیرہ لوگوں کے ساتھ اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی حضرات وقتاً فوقتاً ڈابھیل، راندیر سے اکابرین کو دعوت دے کر اصلاحی وعظ کہلاتے تھے۔ حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا بنوریؒ، مفتی مہدی حسنؒ، مولانا احمد اشرفؒ(۱)، مولانا محمد سعید راندیریؒ وغیرہ

(۱) **مولانا احمد اشرف صاحب راندیریؒ:** فاضل دار العلوم اشرفیہ راندیر و دار العلوم دیوبند، تلمیذ علامہ کشمیریؒ، سابق مہتمم دار العلوم اشرفیہ راندیر، ۵/ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۵/مارچ ۱۹۰۳ء بروز پیر آنکھیں کھولیں۔ آپ راندیر کے مشہور دینی و علمی ''اشرف'' خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دار العلوم اشرفیہ راندیر میں علوم کی تکمیل کی۔ ''دار العلوم'' میں دو سال قیام فرما کر دورہ وفنون پڑھا۔ آپ کے اساتذہ میں قاضی رحمت اللہ صاحب راندیری، مولانا مطیع اللہ قریشی، مولانا عبد اللہ بخاری، علامہ کشمیری، مولانا سید اصغر حسین صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علما ہیں۔ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، مولانا طاہر صاحب قاسمیؒ وغیرہ آپ کے رفقائے درس میں سے ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور شیخ احمد شنوسیؒ سے خصوصی اسناد حاصل فرمائے۔ تقریباً ۶۰/سال تک دار العلوم اشرفیہ کی زمامِ اہتمام سنبھالی، اس دوران مشکاۃ، ہدایہ اور موطا امام محمد وغیرہ کتب کا درس بھی دیتے رہے۔ آپ کے مواعظ کی برکت سے سیکڑوں دیہات سے رسوم ورواج اور بدعات کا خاتمہ ہوا۔ ملک ''برما'' میں بھی آپ کی ذاتِ اقدس سے بڑا فیض پہنچا۔ افسوس! کہ علم وعمل کا یہ مجسم نمونہ ۶/مارچ ۱۹۸۹ء مطابق ۲۷/رجب ۱۴۰۹ھ بروز دوشنبہ راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔

اکابر علما کے وعظ ہوتے رہے۔ ان اکابر علما کی محنتوں نے فضا بدل دی اور بہت سے لوگ راہِ راست پر آ گئے۔

مفتی صاحبؒ کو ''دارالعلوم دیوبند'' کے صدر مفتی کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا تو ''دارالعلوم'' تشریف لے گئے اور زندگی کے آخری سانس تک ''دارالعلوم'' میں خدمت دیتے رہے۔

بندہ ۱۹۵۸،۵۹ء میں جب ''دارالعلوم'' پہنچا تو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ تین ماہ ''رسم المفتی'' کے درس میں شامل رہا، مغرب کے بعد ''طحاوی شریف'' کا درس ہوتا تھا، چند ہفتہ اس میں بھی شریک ہوا۔ مفتی صاحبؒ حدیث شریف کے رجال پر تفصیل سے کلام فرماتے تھے۔ ایسا تفصیلی کلام اس دور میں کسی اور استاد سے سننے میں نہیں آیا۔

ابن حزم اندلسیؒ کی ''المحلّٰی'' پر کئی مقامات پر گرفت فرمائی اور **''السیف المجلّٰی علی المحلّٰی''** نامی سلسلہ وار رسالے شائع فرمائے۔ ''کتاب الآثار'' پر بہت قیمتی حاشیہ لکھا(۱)۔ کاش! کہ وہ ٹائپ پر چھپ جاتا تو عالمِ عرب کے لیے بھی بہت مفید ہوتا۔

(۱) آپ کی یہ عربی شرح بنام ''**قلائد الأزهار**'' چھ جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سے صرف تین جلدیں طبع ہو سکیں۔ اس کے علاوہ کتاب الحجۃ علی أہل المدینۃ لإمام محمد صاحب جیسی نایاب کتاب آپ کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

مفتی صاحبؒ بہترین شاعر بھی تھے۔ کبھی کبھی رات کو مجلسِ شعر و شاعری ہوتی، اختتامِ مجلس پر شرکا بہترین کھانوں سے بھی خوش کام ہوتے۔

فرماتے تھے کہ ہندوستان میں تین کٹر حنفی ہیں: ایک میں، دوسرے مولانا ابوالوفا افغانی، مقیم حیدر آباد، تیسرے مولانا احمد رضا بجنوری۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے از راہِ عنایت اجازتِ حدیث بھی مرحمت فرمائی۔

مجھے ہمیشہ قلق رہا کہ مفتی صاحب کے علم اور آپ کی نادر تحقیقات کی کماحقہٗ اشاعت نہ ہو سکی۔ ہماری قوم شادی، بیاہ اور دیگر کاموں میں ہزاروں روپئے لٹاتی ہے، مگر علمی کاموں کے لیے ان کے ہاتھ بند ہو جاتے ہیں(۱)۔ **فیا للأسف!**

(۱) یہ خوش کن بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے آپ کے مختلف رسائل کو ''مجموعۂ رسائل'' کے نام سے دو جلدوں میں جمع کر کے چھاپ دیا ہے۔ دیگر کتابیں ابھی کسی مردِ میدان کے انتظار میں ہیں ؎

گوئے سعادت و توفیق درمیاں افگندہ اند
کس بہ میداں نمی آید سواراں را چہ شد

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

(ولادت: یکم محرم الحرام ۱۳۰۰ھ-۱۸۸۲ء، بمقام بدایوں
وفات: ۱۳؍رجب ۱۳۷۴ھ-۸؍مارچ ۱۹۵۵ء بروز منگل)

شیخ الادب حضرت مولانا سید اعزاز علیؒ ''دارالعلوم دیو بند'' کے ان اساتذہ میں ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی طلبا کی تعلیم وتربیت کے لیے وقف کر دی تھی۔ ''دارالعلوم'' میں طلبا سب سے زیادہ آپ سے ڈرتے تھے۔ زندگی میں لفظ ''آرام'' سے تو آشنا ہی نہ تھے۔ کبھی درس میں، کبھی دفترِ تعلیمات میں، کبھی کسی طالبِ علم کو خارج میں پڑھانے میں اور کبھی قرآنِ مجید کی سَماعت میں۔ رات کے ۱۲؍بجے سے پہلے شاید ہی کسی دن لیٹتے ہوں، پچھلی شب بہت سویرے جاگ جاتے، تہجد، ذکر کے بعد طلبا کو لے کر اذانِ فجر تک مشغول رہتے۔

طلبا پر بڑی کڑی نظر رہتی۔ جن طالبِ علموں کو صحنِ مسجد میں مُطالعہ وتکرار میں دیکھتے، ان کے متعلق حسنِ ظن قائم ہو جاتا، اور جن کو ایک دوبار بازار میں دیکھ لیتے، ان سے بدظن ہو جاتے۔

بندہ خدمت میں حاضر ہوا، اور ادب کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھنے کی درخواست کی، فرمایا ''مولوی صاحب، مولوی صاحب! آج کل کوئی وقت فارغ

نہیں ہے''۔ احاطۂ مسجد میں عموماً قیام فرماتے، گھر پر کھانے کے لیے اور شاید عصر کے بعد تشریف لے جاتے۔ بندے کو آپ سے کتاب پڑھنے کی نوبت نہیں آئی؛ البتہ سالانہ امتحان کا اعلان ہوا، اور معلوم ہوا کہ ''کنز الدقائق'' کا امتحان شیخ الادب کے پاس تقریری ہوگا، تو اوسان خطا ہو گئے۔ محشیٔ کنز الدقائق ممتحن ہے؛ پھر کیا پوچھنا! امتحان تک مشکل مقامات اِدھر اُدھر جا کر حل کرتے رہے۔ امتحان مولانا عبدالجلیلؒ والی درس گاہ میں شروع ہوا، جماعت میں جو طلبہ ممتاز اور ذہین تھے، وہ اگلی صفوں میں تھے۔ گورکھپور کے ہم سبق ڈپٹی صاحب جو تکرار بھی کراتے تھے، زد میں آ گئے۔ حضرت نے کبھی ان کو بازار میں پھرتے دیکھ لیا ہوگا، رگڑائی شروع ہوئی: ''مولوی صاحب، مولوی صاحب! آپ تو تفریح کرنے آئے ہیں، آپ کو تعلیم سے کیا نسبت وغیرہ'' الفاظ فرماتے جاتے اور مختلف صفحات الٹا کر سُوالات فرماتے۔

بندہ تیسری چوتھی صف میں بیٹھا تھا، ہوشیار لڑکوں کا یہ حال دیکھا تو پسینہ آنے لگا۔ بہر حال خدا خدا کر کے باری آئی، "باب المرابحة والتولية" کھولا اور جھٹ سے حاشیے پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا ''مولوی صاحب یہ کون سا تولیہ ہے، ہاتھ صاف کرنے کا، یا بدن صاف کرنے کا؟'' بندے نے جو مطلب تھا عرض کر دیا، فرمایا 'ٹھیک ہے' 'ٹھیک ہے' جایئے، نتیجہ نکلا تو ۴۷ نمبر پائے۔

درس کی پابندی مثالی تھی، گھنٹی بجتے ہی سبق شروع فرماتے اور گھنٹی پر فوراً سبق بند فرماتے، کسی دوسرے استاذ کے گھنٹے سے چند منٹ بھی لینا گوارا نہ تھا۔ راستے میں بارہا کوشش کی کہ سلام میں سبقت کریں؛ مگر ممکن نہ ہو سکا، خود ہی ابتداء بالسلام فرماتے۔

''دارالعلوم دیوبند'' کے بہت سے اساتذہ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے، اور سب ہی آپ کا احترام فرماتے ؛ مگر حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کی مجلس میں ایسی خاموشی اور ادب کے ساتھ تشریف رکھتے جیسے کوئی دیہاتی آدمی بیٹھا ہو۔ اپنے بڑوں کا ادب جس طرح یہ حضرات فرماتے تھے، اس کی مثال اب تلاشِ بسیار کے بعد بھی ملنا مشکل ہے۔

وقت کی پابندی، طلبا کے لیے راحت وسکون کو قربان کرنا، رات دن مطالعہ میں مشغول رہنا، اپنے مشائخ کا احترام کرنا، اس قسم کے اعلیٰ اوصافِ حمیدہ ان ہی نفوسِ قدسیہ کے قدموں میں رہ کر سیکھے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے ان کا سایہ
حضورِ خواجہؐ مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے
یہ التجا ہے کہ روزِ محشر، گناہگاروں پہ بھی نظر ہو
شفیعِ امتؐ کو ہم غریبوں کی چشمِ تر کا سلام پہنچے
(نفیس)

حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ

(ولادت: ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء، وفات: ۲۴؍رمضان ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء)

علامہ ابراہیم بلیاویؒ امام المنطق والفلسفہ تھے، انتہائی درجے کے ذہین اور اخّاذ ذہن کے مالک تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، منطق وفلسفہ کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے تھے، سالہا سال تک ''مسلم شریف'' بھی پڑھاتے رہے۔

۱۹۴۸ء کے دورِ اول میں ہی علامہ کو دیکھا اور آپ کے علم وفضل، بذلہ سنجی اور نکتہ رسی کی داستانیں سنتے رہے۔ خصوصاً مولوی محمد مصطفیٰ اعظمی (۱) - جو اَب ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی سے معروف ہیں اور اُس زمانے میں علامہ سے ''صدرا'' وغیرہ کتابیں

(۱) **ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب اعظمی زیدت معالیہ:** ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں بمقام مئو آنکھیں کھولیں۔ ۱۹۵۲ء میں ''دارالعلوم'' سے سندِ فضیلت حاصل کی، پھر مصر جاکر ''جامعہ ازہر'' کی ''كلية اللغة العربية'' سے سندِ عالمیت و اجازتِ تدریس حاصل فرمائی۔ ۱۹۶۴ء میں انگلینڈ جاکر ''کیمبرج یونی ورسٹی'' سے متعلق ہوکر ''دکتوره'' کیا۔ ''جامعة الملك سعود'' ریاض میں اصولِ حدیث کی تدریس فرمائی۔ چند سال قطر میں بھی مقیم رہے۔ الكمبيوتر و استعماله في خدمة السنة النبوية، تحقيق العلل لابن المديني، تحقيق صحيح ابن خزيمة، كُتّاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، دراسات في الحديث النبوي و تاريخ تدوينه، منهج النقد عند المحدثين مع تحقيق كتاب التمييز للإمام مسلم رحمه اللّٰه جیسے شاہکار آپ کے قلم سے نکل کر علمائے عرب وعجم سے خراجِ تحسین وصول کرچکے ہیں۔ ماشاء اللہ! ابھی ریاض میں قیام فرماکر علمی وفنی خدمات میں مصروف ہیں، اور علمائے دیوبند کا نام روشن کررہے ہیں۔ بارك الله في حياته! (الموسوعة العربية العالمية)

پڑھتے تھے، اور اکثر مولوی اسماعیل افریقی کے کمرے میں ساتھ اٹھنا، بیٹھنا ہوتا تھا۔ آپ کا ذکر فرماتے رہتے تھے؛ مگر اس وقت نہ حضرت کے پاس جانے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ آپ کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت تھی۔

البتہ دس سال بعد جب دوبارہ حاضری ہوئی، تو حضرت کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے اور بعض مسائل کو حل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مرحوم مولانا اسماعیل گارڈیؒ اپنے فرزند عبدالرحمٰن سلمہٗ کو لے کر دیوبند حاضر ہوئے، اور بندے کا اُن کے ساتھ رہنا طے ہوا، تو مولانا گارڈیؒ علامہؒ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ ''یہ میرا بچہ ہے اور یہ مولوی صاحب ان کے ساتھ رہیں گے، آپ ان کے ساتھ شفقت فرماویں''۔ حضرت نے فرمایا ''عصر کے بعد یا جمعہ کو اس کو لے کر آتے رہو، اور کوئی کام ہو تو بتلا دیا کرو''۔ ہم نے عرض کیا ''حضرت! منطق کی کوئی چھوٹی کتاب پڑھا دیں''۔ فرمایا، باقاعدہ درس تو مشکل ہے، البتہ کوئی مشکل مقام ہو پوچھ لیا کرو؛ چناں چہ ہفتے میں کئی بار حاضر ہوتا، اور کچھ پوچھنے کی بھی نوبت آتی۔

عصر کے بعد خود حکیم الاسلامؒ اور ''دارالعلوم'' کے اساتذہ خدمت میں تشریف لاتے اور علمی سُوالات ہوتے، ہم بھی اس مجلس کے حاشیہ نشین بن کر علمی گفتگو سنتے۔

مولانا اسماعیل گارڈیؒ علامہ کے شاگرد تھے اور علامہ سے تعلق رکھتے تھے، اس نسبت پر آپ کے دسترخوان پر بھی بیٹھنے کا موقعہ کئی بار نصیب ہوا۔

مسئلہ حیاۃ النبی میں پاکستان میں خود علمائے دیوبند میں اختلاف ہوا، مولانا شمس الدینؒ جو کبھی ''دارالعلوم'' کے استاذ بھی رہ چکے تھے، انہوں نے ایک رسالہ لکھا اور حضرت نانوتویؒ کی بعض عبارتوں سے کچھ اختلاف فرمایا۔ بندے نے اس کو پڑھا

تو علامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال بتا کر رائے معلوم کی، علامہ نے چند منٹ توقف فرما کر تقریر فرمائی اور مسئلہ واضح فرمایا۔

ایک مرتبہ عرض کیا: حضرت آج کل بہت کم ''دارالعلوم'' تشریف لاتے ہیں؟ فرمایا ''پہلے زمانے میں جو طلبا آتے تھے وہ پختہ استعداد لے کر آتے تھے، بعض تو کئی کئی سال پڑھا کر آیا کرتے تھے، اُن کو اصطلاحی الفاظ میں بات سمجھانا آسان ہوتا تھا۔ اب جو کھیپ آ رہی ہے، ان کو نہ منطق یاد ہے، نہ صرف نحو ہی پختہ ہے؛ اس لیے طبیعت چلتی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ حدیث شریف کے سبق میں حِکَم وعللِ حدیث بیان کرتا ہوں؛ مگر اس کا تعلق انشراحِ قلب سے ہے، اس لیے جب طبیعت میں انشراح ہوتا ہے، سبق پڑھا دیتا ہوں، ورنہ نہیں''۔ ایک مرتبہ کی حاضری پر احقر نے حضرت سے اجازتِ حدیث طلب کی تو ازراہِ عنایت دستخط فرما کر عنایت فرمائی۔

فجزاهم الله أحسن الجزاء!

☆☆☆☆☆

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ

(ولادت: ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء، بمقام اجمیر
وفات: ۲۱؍صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۶؍اپریل ۱۹۷۲ء)

حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اجلِ تلامذہ میں تھے، برِصغیر کے ان چند علما میں آپ کا شمار ہوتا تھا جو علمِ حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے۔ سالہا سال ''مدرسہ شاہی مرادآباد'' میں درس دیتے رہے اور حضرت مدنیؒ کی اسارت کے زمانے میں ''دار العلوم دیوبند'' میں درسِ حدیث کے لیے تشریف لائے، اس کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی علالت کے دور ہی میں دوبارہ طلب فرمایا اور مَسندِ شیخ الحدیث سپرد فرمائی۔

مولانا فخر الدینؒ کا حافظہ بہت عمدہ تھا، طبیعت نفاست پسند تھی، بہت نازک مزاج اور کم آمیز طبیعت کے مالک تھے۔ ان کا نام اور شہرت تو عرصے سے سنتے تھے؛ مگر بندے نے ان کو پہلی بار غالباً ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے اجلاسِ سورت میں دیکھا، اکابر علما کی قیام گاہ پر جا کر آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ مہمانوں کی کثرت تھی؛ اس لیے زیادہ دیر بیٹھنا نہ ہوسکا۔

پھر ۱۹۵۹ء میں ''دار العلوم دیوبند'' کی حاضری ہوئی تو ہفتہ میں دو تین بار عصر کے بعد خدمتِ اقدس میں حاضری دینے کا معمول بنایا۔ ''بخاری شریف'' کے

درس میں سَماعتاً حاضر ہونے کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی تو تقریباً سات ماہ بلا ناغہ درس میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔

بہترین ٹکسالی اردو زبان میں علم کے موتی بکھیرتے تھے، ہر حدیث شریف پر مفصل کلام فرماتے اور دن ورات مل کر آخری سال میں پانچ گھنٹہ ''بخاری شریف'' پڑھا کر ختم فرماتے تھے۔

علامہ بلیاوی رحمہ اللہ مختصر بیان کے عادی تھے اور فرمایا کہ ہمارے حضرت (شیخ الہندؒ) کا درس بالکل مختصر ہوتا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ نے مذہبِ حنفی کی تائید کے لیے مفصل تقریر شروع فرمائی، حضرت مدنیؒ کے دور میں مزید اضافہ ہوا اور اب یہ سلسلہ چل پڑا ہے۔

مولاناؒ ہمیشہ مطالعہ فرما کر درس میں تشریف لے جاتے، عصر کے بعد بھی ''فتح الباری'' کے صفحات پر نظر ڈالتے بارہا دیکھا گیا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ سے گہری عقیدت رکھتے تھے، ''دار العلوم فلاحِ دارین'' میں جب پہلے سال ''بخاری شریف'' کا درس شروع ہوا تو حضرت والا کو زحمت دی گئی، باوجود ضعف ونقاہت دعوت قبول فرمائی اور ترکیسر ضلع سورت تشریف لائے، تین روز قیام فرمایا۔ ڈھائی گھنٹے ''بخاری شریف'' کا درس ہوتا رہا جس میں گجرات کے تمام عربی مدارس کے شیوخ الحدیث اور اکابر علما موجود تھے، مدرسہ کا نظم دیکھ کر بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور معائنہ بک میں بہترین تاثرات تحریر فرمائے۔

اس کے بعد ’دارالعلوم‘ کی ہر ملاقات پر خدمتِ اقدس میں حاضری ہوتی رہی، محبت وشفقت سے ملاقات فرماتے اور مدرسے کے احوال سے واقف ہو کر دعا دیتے۔

علالت کے زمانے میں حاضری ہوئی تو حسبِ معمول عیادت و ملاقات کی غرض سے حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوا؛ مگر چند بہاری طلبا باہر کھڑے تھے، انہوں نے منع کر دیا کہ کسی کو ملاقات کے لیے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ’’صرف حضرت کا چہرہ دیکھ کر آ جاؤں گا‘‘؛ مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔ اخیر میں عرض کیا کہ آپ میں سے کوئی حضرت کے پاس تشریف لے جائیں اور عرض کر دیں کہ ترکیسر سے عبداللہ سورتی حاضر ہوا ہے، سلام مسنون عرض کر کے دعا کا طالب ہے۔ ایک طالبِ علم اندر تشریف لے گئے اور چند منٹ میں ہی باہر آ کر فرمایا کہ حضرت بلا رہے ہیں۔ حاضری ہوئی اور مصافحہ کر کے قریب کی کرسی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا، خیریت و عافیت دریافت کی، دعا کے لیے عرض کرتا رہا۔ چند منٹ کے بعد اجازت لی اور باہر نکل آیا۔ حضرت کا چمکتا ہوا چاند جیسا چہرہ اب بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے، بس یہی آخری ملاقات تھی رحمہ اللہ رحمةً واسعةً.

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(ولادت: ۱۹؍شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء

وفات: ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردِ رشید اور صحیح جانشین، حضرت فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مُجاز و محبوب، حضرت مہاجر مکی حاجی امداد اللہؒ کے منظورِ نظر اور شیخ العرب والعجم تھے۔

شورش کشمیری نے لکھا اور بالکل صحیح لکھا ہے:

جن علمائے حق کا تذکرہ کتابوں میں دیکھا ہے وہ ان کی ہو بہو تصویر تھے، فقر واستغنا کا مجسمہ، علم ونظر کا پیکر، حدیث وفقہ کا گنجینہ، غیرت وحمیت کا پتلا، ایثار و استقامت میں ڈھلا ہوا وجود، مجال ہے زبان پر کسی کے خلاف کلمۂ استخفاف ہو، ایک ایسا انسان جس کا ذہن کسی کی اہانت یا کسی کی توہین کا تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔ روضۂ رسول اللہ ﷺ کی جاروب کشی نے ان کی آنکھوں میں قرنِ اول کی حیا بھر دی تھی۔

’’ڈابھیل‘‘ میں داخل ہونے کے بعد ہی حضرت اقدس کے مجاہدانہ کارنامے اور آپ کے تقویٰ واتباعِ سنت کی کہانیاں کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔ ۱۹۴۵ء میں تقسیمِ ہند کے ہولناک فسادات کے بعد عَروس البلاد بمبئی(۱) میں ’’جمعیۃ علمائے ہند‘‘ کے

(۱) عام طور پر یہ لفظ عین کے ضمے کے ساتھ سنا جاتا ہے، حالاں کہ صحیح بفتح العین ہے۔

جلسے کا اعلان ہوا جس میں ملک کے نامور علما اور سیاست داں تشریف لانے کی اطلاع ملی، بڑے بڑے اشتہارات دیواروں پر چسپاں کیے گئے۔ ناچیز عربی اول میں پڑھ رہا تھا، اس جلسے میں شریک ہونے اور حضرت مدنیؒ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چھوٹی عمر، ابتدائی کتابیں، مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کی خدمت میں جانے کی ہمت تو ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ رخصت مل سکے، بغیر رخصت ہی بمبئی کے سفر کا ارادہ کرلیا اور روانہ ہوگیا۔

بمبئی پہنچے تو استاذِ محترم مولانا عبدالحی صاحبؒ سے ملا اور ان کے ساتھ ہی مختلف جلسوں میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔ ''صابو صدیق مسافر خانہ'' میں اکابرین کے کھانے کا انتظام تھا، دستر خوان پر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف فرما تھے، سب سے پہلے اسی وقت حضرتؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ مولانا احمد بزرگ سملکیؒ قریب ہی میں کھانا تناول فرما رہے تھے اور حضرت مدنیؒ مزاحاً فرما رہے تھے ''بزرگ ہوکر کتنا کھانا کھاتا ہے'' میرے ذہن میں بزرگوں کا نقشہ یہ تھا کہ وہ ہنسی مذاق کبھی نہیں کرتے ہوں گے، حضرت یہ جملہ فرماتے جاتے اور مسکراتے جاتے اور حضرات بھی حضرت کے اس جملے سے محظوظ ہورہے تھے۔ حیرانی سے سنتا رہا اور پندرہ منٹ تک بس حضرتؒ کی زیارت کرتا رہا۔

اجلاس کے بعد گجرات کا دورہ ہوا، اور ڈابھیل بھی تشریف لائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی صدارت میں تالاب کے کنارے اجلاس ہوا جس میں اطراف کے ہزاروں مسلمان حضرتؒ کا وعظ سننے اور دیدار کرنے امنڈ آئے تھے، ہمارے رفیقِ درس مولوی اسماعیل کولہا پوری مرحوم حضرت کی شان میں نظم سنانے

کھڑے ہوئے، ابھی ''دیا ہے درس قال اللہ کا مدت تک مدینہ میں'' تک پہنچے تھے کہ گرجدار آواز آئی: کس نے درس دیا؟ اور فوراً ان کے ہاتھ سے کاغذ لے کر بیٹھ جانے کا حکم فرمایا، مولوی اسماعیلؒ پھر بھی کھڑے رہے تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا: بھائی! حضرت ناپسند فرما رہے ہیں؛ اس لیے ضد نہ کرو بیٹھ جاؤ! تب وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئے۔

حضرت نے مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ کرنے اور صبر واستقامت کے ساتھ اپنے اعمال کی درستگی کرنے پر توجہ کرنے کی تلقین فرمائی، یہ دوسری بار کی زیارت تھی۔

پھر ''دارالعلوم دیوبند'' گیا تو حضرت اقدس کی زیارت مسلسل ہوتی رہی، بعد الجمعہ حضرت کے دولت کدے پر حاضری ہوتی جہاں علما، فضلا، عوام سب ہی جمع ہوتے۔ سبز چائے کا دور چلتا، حضرتؒ بہت گرم چائے نوش فرمانے کے عادی تھے، چائے نوش فرماتے اور کبھی کبھی حالاتِ حاضرہ پر کسی کے سوال پر ارشاد فرماتے۔

بندے کو گرم چائے پینے کی عادت نہ تھی، کنارہ پر پیچھے بیٹھا۔ خادم نے پیالی دی اور فرمایا جلدی پی لو اور مہمانوں کو دینا ہے، جیسے ہی گھونٹ لیا منہ اور زبان جلنے لگے اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا، میں نے پیالی فوراً واپس کی۔

جمعہ سے قبل مکان سے نکلتے ہوئے چھوٹی جالی تھی جس سے نکل کر سڑک پر آنا ہوتا تھا، میں ''دارالعلوم'' میں نو وارد تھا اس کو کھول کر کھڑا ہوا تا کہ حضرت باہر تشریف لائیں؛ مگر حضرت اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹے اور فرمایا کہ کیا میں اتنا کمزور ہوں کہ اس کو کھول نہیں سکتا۔ طلبا نے مجھے اشارہ کیا اور بندہ ہٹ گیا، تب حضرت باہر تشریف لائے۔

''دارالعلوم دیوبند'' کے زمانۂ قیام میں عصر کے بعد بھی حضرت کی مجلس میں کبھی کبھی حاضری کی نوبت آتی رہی۔ جب دوبارہ ڈابھیل آ گیا تو یہی تمنا رہی کہ کچھ مدت حضرت کی خدمت میں گزارنے کا موقع ملے۔ دورہ کے سال میں حضرت کا گجرات کا سفر ہوا تو حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ کی معیت میں چند روز سفر میں ساتھ رہا، جب واپی پہنچے تو جناب موسیٰ خان مرحوم کے مکان پر قیام فرمایا۔ ہم نے حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ سے درخواست کی کہ حضرت سے بیعت کرادیں؛ چناں چہ حضرتؒ کی سفارش پر حضرت مدنیؒ نے سلسلے میں داخل فرمایا۔

اگلے سال جب دوبارہ گجرات کا دورہ ہوا تو بندے نے موقع غنیمت جان کر کروڑ ضلع سورت کے ''مجلس خدام الدین'' کے سالانہ جلسے کے بعد ایک ماہ حضرت مدنیؒ کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت کا تقویٰ، مجاہدہ، راتوں کو اٹھ کر آہ وزاری، چھوٹوں کی ہر طرح رعایت، خلافِ سنت کاموں پر سخت کڑھن وغیرہ اوصاف کا روز روز مشاہدہ ہوتا رہا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض آدمیوں سے عقیدت ہوتی ہے؛ مگر جتنا آدمی ان سے قریب ہوتا ہے عقیدت میں فرق آنے لگتا ہے، بعض انسانی کمزوریاں سامنے آتی ہیں؛ مگر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی کا معاملہ بالکل برعکس تھا کہ جتنا ساتھ رہیں عقیدت واحترام میں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔

حضرت علما کو آرام پسند دیکھنا نہیں چاہتے تھے؛ اس لیے پنکھا جھلنا، جوتی سیدھی کرنا وغیرہ کاموں کو ناپسند فرماتے۔ ایک مرتبہ گاؤں کا پودرا تشریف لائے، عصر

کے بعد گھر سے باہر کرسیاں لگائی گئی تھیں، حضرتؒ تشریف فرما تھے، میرے پہلے لڑکے محمد(۱) کی ولادت کے چند ماہ ہوئے تھے، حضرتؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا تو سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی اور پوچھا کہ عقیقہ کیا یا نہیں؟ عرض کیا ہو گیا ہے، فرمایا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد بھیل قوم کی عورت کو دیکھا کہ تین گھڑے پانی لے کر آرہی ہے، دو سر پر تھے اور ایک ہاتھ پر اٹھایا ہوا تھا۔ فرمایا دیکھئے تین تین گھڑے لے کر کیسی چلی آرہی ہے، آپ اس طرح اٹھا سکتے ہیں؟ عرض کیا حضرت! بندے سے تو نہیں اٹھ سکتے۔ فرمایا کیوں نہیں اٹھ سکتے؟ عرض کیا کہ ان کو تو بچپن سے اس کی عادت ہے۔ فرمایا آپ نے ایسی عادت کیوں نہیں بنائی؟ جو کام عورت کر سکتی ہے مرد کیوں نہیں کر سکتا؟ اور بندہ خاموش ہو گیا۔

عِشا کے بعد رات ایک بجے تک جلسے میں تقریر سے فارغ ہوتے، آرام گاہ میں تشریف لاتے تو ہم چند خدام تھوڑی دیر پیر اور بدن دباتے۔ اس وقت بھی

(۱) **مولانا محمد بن مولانا عبداللہ پٹیل صاحب زیدت معالیہ:** حضرت مفکرِ ملت مدظلہ کے فرزندِ اکبر، فاضل مفتاح العلوم جلال آباد، مُجازِ صحبت حضرت اقدس مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ۔ ۲۲/جُمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۷/جنوری ۱۹۵۶ء بروز شنبہ ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ''جامعہ ڈابھیل'' میں حاصل فرمائی، پھر ''فلاحِ دارین ترکیسر'' میں درجۂ مشکاۃ تک پڑھا۔ اسی دوران حضرت مسیح الامتؒ کے سفرِ گجرات کے موقع پر آپ سے متاثر ہو کر جلال آباد تشریف لے گئے۔ وہاں کے قیام کے دوران حضرت کے الطاف وعنایات کے مورد رہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا مسیح اللہ خان صاحب، مولانا واجد حسین صاحب، مفتی نصیر صاحب، دادا میاں صاحب، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب، مولانا سید ابرار احمد صاحب اور مولانا مفتی شیر علی صاحب رحمہم اللہ جیسے اکابر علما ہیں۔ ''دارالعلوم کھروڈ'' کی بِنا میں آپ کا ناقابلِ فراموش کردار رہا ہے۔ ایک طویل عرصے تک ''زامبیا'' میں اقامت فرما کر علمی خدمات انجام دیں، اور اب ''ملاوی'' میں سکونت پذیر ہیں۔ حق تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے، اور آپ کے فیض کو جاری وساری فرمائے۔ آمین!

فرماتے: مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو، جاؤ اپنا کام کرو، بھائیو! کچھ نوافل پڑھ لو، ذکر کرلو بڑھاپے میں نہیں ہوسکے گا ''من نہ کردم شما حذر بکنید''۔

ناچیز ایک بار کونے میں دب کر لیٹ گیا، حضرتؒ ۳۰-۱ بجے لیٹے تھے، ۳۰-۳ بجے رونے کی آواز آئی، آنکھ کھولی تو دیکھا کہ حضرت سجدہ میں سسکیاں بھر رہے ہیں۔ ہمیں اپنی ذات پر نفرت پیدا ہوئی کہ اس ضعیف العمری میں حضرت کا تو یہ مجاہدہ اور ہم کھا کر آرام سے سوتے ہیں۔

کوسمبا کے اسٹیشن پر نوٹ بک پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت کوئی نصیحت تحریر فرمادیں، شیروانی کے جیب سے سرخ قلم نکالا اور تحریر فرمایا (حضرت کا خط بہت صاف اور عمدہ تھا)۔

جہاں اے برادر نہ ماند بکس　　دل اندر جہاں آفریں بند و بس
عشق بامردہ نہ باشد پائدار　　عشق را باحیّ و باقیوم دار

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ
نزیل حال کوسمبہ، ضلع سورت

افسوس! کہ علم وفضل کے آفتاب اور مجاہدہ واستقامت کے پہاڑ کے ساتھ رہ کر بھی نہ تو اپنے دل کو گرم اور نہ اپنے دامن کو تر کر سکے؛ مگر پھر بھی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ''مئے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے'' حضرت رحمہ اللہ کی صحبت کی برکات کی امیدیں رکھتے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(ولادت: محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء
وفات: ۶؍شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم ''دارالعلوم دیوبند'' کا اسمِ گرامی بچپن ہی سے سنتے رہتے تھے۔ والدِ مرحوم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کر چکے تھے اور پندرہ روز کے لیے ''خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون'' میں تشریف لے گئے تھے، وہاں سے واپسی میں دیوبند حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور گھر آکر آپ کے علم وفضل، روحانی مجلس اور ''دارالعلوم دیوبند'' کے سلسلے میں آپ کی عظیم خدمات کا تذکرہ فرماتے رہے، اس وقت میری عمر چھ،سات سال ہوگی۔

حضرتؒ کا برسوں معمول رہا کہ راندیر ''دارالعلوم اشرفیہ'' اور ''جامعہ حسینیہ'' کے سالانہ اجلاس میں تشریف لاتے اور حکیمانہ وعظ سے لوگوں کو فیض پہنچاتے۔ والد صاحبؒ بھی کبھی کبھی ان جلسوں میں شرکت کے لیے راندیر تشریف لے جاتے تھے، بندے نے بھی درخواست کی کہ ساتھ لے جائیں؛ مگر والد صاحبؒ نے فرمایا: ابھی عمر بہت چھوٹی ہے، جب بڑے ہوجاؤ گے تب جلسے میں جانا اور دیوبند جاکر بھی تعلیم لینا۔

۱۹۴۸ء میں جب ''دارالعلوم'' پہنچا تو دیگر اساتذہ کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب کی بھی زیارت ہونے لگی، خوب صورت چہرہ، نرم رفتار ونرم گفتار، بڑی ہی دل آویز اور مسحور کُن شخصیت تھی آپ کی، بس دیر تک دیکھتا رہا۔ ''دارالعلوم'' میں کبھی طلبا کو خطاب فرماتے یا ''جامع مسجد'' میں کبھی بیان ہوتا تو مستفید ہوتے؛ مگر حضرتؒ کے نزدیک جانے کا موقع نہیں آیا۔

''دارالعلوم'' میں جب مولوی اسماعیل گارڈی صاحب کے فرزندوں کے ساتھ رہنا ہوا اس زمانے میں بار بار خدمتِ اقدس میں حاضری ہوتی رہی۔ بعد مغرب مجلس میں شرکت ہوتی تو طبیعت خوش ہو جاتی، کسی نے کوئی سُوال کیا اور آپ کی تقریر شروع ہو جاتی۔ زبان میں روانی، لہجہ میں مٹھاس، تقریر کیا ہوتی علم وعرفان کا شربت پلاتے تھے۔

مسلکِ دیوبند کی ترجمانی کا تو حق ادا کر گئے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد دیوبند میں ایسا شیریں بیان مقرر کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ اختصار پر آتے تو دس منٹ میں علمی مضمون کو سمیٹ کر مکمل بات پیش فرما دیتے، اور تفصیل بیان کرنا چاہتے تو مختصر بات کو دو گھنٹوں میں پھیلا سکتے تھے۔ تقریر میں عوام الناس کو اس طرح جکڑ رکھتے کہ دو تین گھنٹے تک مجمع میں حرکت نہ ہوتی۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے سالانہ اجلاس میں بھی کئی بار تشریف لائے، اور ملفوظات سے نوازا۔ ایک سفر میں عصر کے بعد ''فلاحِ دارین'' کے چمن میں مجلس تھی، تعلیم اور تعلیمی ماحول پر گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا کہ ابن خَلدُون رحمہ اللہ علمی

درس گاہوں میں چمن کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کو مُخِلِ خیال فرماتے تھے، بعض لوگوں نے اس کو پسند فرمایا ہے، اپنے اپنے ذوق ومذاق کی بات ہے۔

فرمایا کہ دینی کاموں میں سب سے اہم منصب افتا کا منصب ہے، بہت ذمہ داری کا کام ہے اور تیقظ اور حالات سے باخبر رہنے کا طالب ہے۔ اس کے بعد تدریس کا کام ہے، پھر وعظ وتقریر، اور مسکرا کر فرمایا سب سے آسان کام دوسروں پر نقد وتبصرہ(۱) کرنا ہے۔

ایک بار گجرات تشریف لائے تو تین روز تک سفر میں ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ قضیۂ نامرضیہ اپنے شباب پر تھا؛ مگر قربان جائیں اس تحمل پر کہ سفر میں کسی روز کسی مجلس میں بھی اس سلسلے میں ایک لفظ نہیں فرمایا۔ وہی علمی مضامین، وہی معرفت کی باتیں، وہی دلچسپ حکایات یا پھر گہری خاموشی۔

مرحوم رفیقِ محترم مولانا اسماعیل بیڑا موریشش سے تشریف لائے اور حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیری(۲) اور ناچیز کو لے کر دیوبند پہنچے، تاکہ

(۱) خطبات حکیم الاسلام: ۴/ ۳۹۹ پر یہ مضمون ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ: بلبلِ گجرات، شعلہ گفتار خطیب، فاضل وسابق شیخ الحدیث ''جامعہ حسینیہ راندیر'' ۱۴۱۴ھ میں اپنے وطن ''پال'' میں آنکھیں کھولیں، ۱۹۳۴ء میں ''جامعہ حسینیہ'' سے سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ مولانا سید شرف الدین آنندوی، مولانا ظہور الحسن ٹونکی، مولانا عبد الرحیم بورسدی، مولانا احمد نور صاحب پشاوری، مولانا محمود حسن صاحب اجمیری، علامہ بلیاوی، مولانا اعزاز علی صاحب رحمہم اللہ جیسی گراں قدر شخصیات سے کسبِ فیض فرمایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر علما نے آپ کی ذکاوت وذہانت کی داد دی ہے، اسی لیے صرف ۳۲/ سال کی عمر میں منصبِ شیخ الحدیث تفویض ہوا، اور ایک طویل مدت تک بخاری کا درس دیتے رہے۔ افسوس! کہ علم وعمل کا یہ گنجِ گراں مایہ ۹/ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ سوئے آخرت چل دیا۔

''دارالعلوم'' کے اس قضیہ میں صلح کی درخواست کریں۔ خدمتِ والا میں حاضر ہوئے، مقصدِ سفر بیان کیا تو پوری توجہ سے بات سَماعت فرماتے رہے، بندے کی زبان سے نکلا کہ ''حضرت اس مسئلے کی وجہ سے پورے ملک میں بے چینی اور تشویش ہے اور سب ہی نیاز مند تکلیف محسوس کر رہے ہیں''، اس پر فرمایا کہ آپ اس پر غور فرمائیں کہ جب دور والوں کو اتنی تکلیف ہے تو ہم قریب والوں پر کیا گزرتی ہوگی، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ صحیح فیصلہ فرمادے اور پھر خاموش ہوگئے۔

ایک رمضان المبارک ''دارالعلوم'' میں میرا قیام رہا، حضرت مہتمم صاحبؒ کو دیکھا، اس بلند مقام پر ہونے کے باوجود اپنے استاذ حافظ صاحبؒ کے سامنے دوزانو ہوکر ''دارالعلوم'' کی مسجد میں قرآن مجید سنا رہے ہیں، استاذ کا ادب انہی حضرات کا حصہ تھا، اور اسی ادب نے ان کو اس بلند مقام پر پہنچایا تھا۔

''دارالعلوم'' کے طلبا نے اسٹرائک (تعلیمی مقاطعہ) کی، کئی روز تک تعلیم بند رہی۔ بعض طلبا لاؤڈ اسپیکر پر مہتمم صاحب کے خلاف تقریر کرتے رہے جس میں ادب کی حدود بھی قائم نہ رہ سکیں؛ مگر پھر بعض اساتذہ کی کوششوں سے ہنگامہ فرو ہوا، اور طلبا نے دارالحدیث تحتانی میں جلسہ کیا تو حضرت مہتمم صاحب نے جس مشفقانہ انداز میں خطاب فرمایا اس کو سن کر سب لوگ حیران وشَشدَر رہ گئے۔ یہ جملہ ابھی تک کانوں میں گونج رہا ہے کہ ''عزیزو! ان ابتلا کے دنوں میں جب میں اپنے گھر سے نکل کر ''دارالعلوم'' آتا تھا تو اپنے دل کو ٹٹولتا تھا کہ تیرے اندر انتقام کا جذبہ تو نہیں ہے، الحمدللہ! دل میں رنج تو ضرور تھا؛ مگر جذبۂ انتقام نہیں تھا''۔

میں نے دیکھا کہ کئی طالبِ علم حضرتؒ کے اس جملے پر آبدیدہ ہوگئے۔ کیسے شفیق تھے یہ لوگ! حق یہ ہے کہ ایسی رحم دلی اور شفقت کے بغیر ''دارالعلوم'' کا نصف صدی سے زیادہ اہتمام سنبھالنا بڑا ہی مشکل کام تھا۔

ناچیز نے حضرتؒ کا وہ مکتوب بھی دیکھا ہے جس میں تحریر فرمایا تھا کہ ''میں جنگ کا آدمی نہیں صلح کا آدمی ہوں، اربابِ شوریٰ اپنے میں سے کسی اصلح کو اہتمام سپرد کردے''، مگر افسوس یہ مکتوب مُرسَل الیہم تک نہیں پہنچا۔

حضرتؒ جب دیوبند میں ہوتے تو عموماً صبح کی نماز ''دارالعلوم'' کی مسجد میں ادا فرماتے اور اکثر امامت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی پیاری اور دل کو کھینچنے والی آواز عطا فرمائی تھی۔ دعا عموماً مختصر فرماتے؛ مگر دعا کے وقت ایسی عاجزی کا چہرے سے اظہار فرماتے جیسے کوئی بچہ نہایت عاجزی وانکساری سے اپنے والدین کے سامنے عرض کر رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی طویل اور عظیم الشان خدمات کا بھرپور صلہ عطا فرمائے، اور امت کو آپ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے اور آپ کے خطبات وعلمی تصنیفات سے فیض حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

قطب الارشاد شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(ولادت: ۱۱؍رمضان ۱۳۱۵ھ-۱۸۹۸ء

وفات: ۲؍شعبان ۱۴۰۲ھ-۲۵؍مئی ۱۹۸۲ء)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ برِ صغیر کے عظیم محدث تھے، جن کے درس نے ہزاروں طالبانِ حدیث کی علمی پیاس بجھائی، اور جن کی روحانی صحبتوں نے اَن گِنت انسانوں کو معرفت کی دولت عطا فرمائی، اور آج بھی جن کے فیض یافتہ خوش نصیبوں کے ذریعے اطرافِ عالم میں علم کی مجلسیں سجی ہیں اور ذکر کی محفلیں گرم ہیں۔

۱۹۴۸-۴۹ء میں حضرت مدنیؒ کے مہمان خانے میں سب سے پہلی مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو ایک ساتھ پایا۔ ملاقات کی اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر خدمت کرنے کا موقع بھی ملا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی صحت اس وقت بہت اچھی تھی، ہاتھ پیر اتنے مضبوط تھے کہ میری کم عمری کے سبب دبانا مشکل ہو رہا تھا۔

یہ اربابِ معرفت کا قافلہ حضرت مدنیؒ سے یہ درخواست کر رہا تھا کہ حضرت! اب آپ اسفار ترک فرما کر مکمل طور پر سالکین کے لیے اپنے کو فارغ

فرمالیں، حضرت مدنیؒ چمڑے کے تکیہ کے سہارے تشریف فرما تھے، سنجیدہ ہو کر جواباً کئی بزرگوں کا نام لے کر فرماتے رہے: وہ زندگی کے آخری لمحے تک سفر کرتے رہے اور پھر مسلمانانِ ہند کے موجودہ حالات بھی ایسے نہیں کہ میں خانقاہ میں بیٹھ جاؤں۔
حضرت شیخ رحمہ اللہ کی یہ پہلی زیارت تھی، حضرت مدنیؒ کے سامنے ہم نے اس طرح بیٹھتے دیکھا کہ جیسے کوئی شاگرد اپنے استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے۔

پھر ''دارالعلوم'' کی دوبارہ ۱۹۵۸-۵۹ء کی حاضری کے زمانے میں کئی بار سہارن پور حاضری ہوئی، کبھی طلبا کے ہمراہ اور کبھی استاذِ محترم مرحوم شیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاویؒ کے ہمراہ، کہ شیخ محمود مصریؒ سہارن پور، دہلی وغیرہ سفر میں اس ناچیز کو ساتھ رکھتے تھے۔ سہارن پور میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زیارت لازمی تھی اور مصری صاحب آپ ہی کے دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے، ان کے ساتھ ہم لوگ بھی فیضیاب ہوتے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے یہاں مسلسلات کے ختم کی مجلس بھی ہوتی تھی، اس کی اطلاع ملنے پر ''دار العلوم دیوبند'' کے طلبا بھی شرکت کرتے۔ ناچیز کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی، شرکت کی اور چند حدیثیں قرأة کرنے کی بھی توفیق ہوئی، اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کی سند بھی حاصل ہوئی۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کی تدریس و نظامت کے دور میں بھی رمضان المبارک اور درمیانِ سال بار بار حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر قریب بٹھایا، اپنی ناواقفی کے سبب سالن کی رکابی آگے بڑھا دی، فوراً فرمایا: مولوی صاحب انتظام

میں دخل مت دو، کھانے کے لیے بٹھایا ہے، انتظام کرنے نہیں۔ اور پھر مسکرا کر فرمایا: بس جلدی کھانا شروع کر دو۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی، اپنے اکابرین کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ، حضرت تھانویؒ وغیرہ کا تذکرہ انتہائی عقیدت ومحبت سے فرماتے تھے، جس سے حضرت کے اعتدالِ طبع کا علم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم خدام کو بھی یہ اعتدال نصیب فرمائے۔ آمین!

ایک بار تخلیہ میں مدرسہ کے پریشان کُن حالات ذکر کر کے مشورہ طلب کیا تو فرمایا: اپنے سے چھوڑو مت، الگ کر دیں تو رنج مت کرو۔

حضرت مولانا تقی الدین صاحب (۱) کے مسئلے میں حضرتؒ کو تکلیف پہنچی تو خدمت میں حاضر ہو کر اور خطوط کے ذریعے بھی معافی کا طلب گار رہا، اور صورتِ حال مفصل تحریر کی تو فرمایا کہ وہ تو وقتی رنجش تھی، اب دل سے نکل گیا ہے اور اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری: فاضل دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ ومظاہر علوم سہارن پور، مُجازِ بیعت حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ، بانی ''جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ، سابق استاذِ حدیث ''ندوۃ العلما'' لکھنؤ، سابق شیخ الحدیث ''دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر''، رکنِ شوریٰ مظاہر علوم سہارن پور، ندوۃ العلما لکھنؤ ودار المصنّفین اعظم گڈھ، سابق مستشار قاضی شرعی امارتِ عربیہ، استاذ و پروفیسر حدیث ''العین'' یونی ورسٹی۔ ۲۴/دسمبر ۱۹۳۴ء میں ولادت ہوئی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا امیر احمد صاحب، مولانا اسعد اللہ صاحب اور علامہ صدیق صاحب جموی رحمہم اللہ جیسے سر برآوردۂ روزگار علما ومشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ''بذل المجہود''، ''اوجز المسالک''، ''لمعات التنقیح''، ''ظفر الامانی''، ''کتاب الزہد الکبیر للبیہقی''، ''ازالۃ الخفاء'' وغیرہ دسیوں کتابوں کو اپنی تحقیق سے مزین فرما کر بیروت سے نشر فرمایا۔ ماشاء اللہ! ابھی ابوظبی میں مقیم ہیں، اور اپنی علمی وفنی تحقیقات کے ذریعہ علمائے دیوبند کا نام خوب روشن فرما رہے ہیں۔

بارك الله في حياته السعيدة. آمين!

مدینہ منورہ ''مدرسہ شرعیہ'' کے کمرے میں قیام تھا، حاضری ہوئی تو فرمایا: دوپہر کے کھانے میں شرکت کیا کرو، حضرتؒ سے یہ آخری ملاقات تھی، روانگی کے اگلے روز حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔

حضرت کی کتابوں سے لاکھوں انسانوں نے فائدہ اٹھایا اور اب بھی اٹھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کی خدمات جلیلہ کا اعلیٰ ترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

کہاں دنیا کے فرزانے گئے ہیں
جہاں تک دیں کے دیوانے گئے ہیں
یہ دورِ ابتلا استغفر اللہ!
بہت سے دوست پہچانے گئے ہیں
(نفیسؔ شاہ صاحبؒ)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

(ولادت: غالباً ۱۲۹۵ھ-۱۸۷۸ء

وفات: ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۸۲ھ-۱۶؍اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ کے اجل خلفا میں تھے، اور رائے پور ضلع سہارن پور کی خانقاہ آپ ہی کے وجودِ مسعود کے سبب برسوں تک آباد رہی، اور ہزاروں بندگانِ خدا کے دل کو وہاں سے روشنی ملی۔

۱۹۴۹ء میں بندے نے پہلی بار حضرت مدنیؒ کے دولت کدے پر حضرت رائے پوریؒ کی زیارت کی؛ مگر اس زمانے میں رائے پور حاضری کی نوبت نہیں آئی۔

۱۹۵۹-۶۰ء میں ''دارالعلوم'' کی دوبارہ حاضری کے زمانے میں شرفِ باریابی کئی بار حاصل ہوا، کبھی سہارن پور ''بھٹ ہاؤس'' میں اور کبھی ''خانقاہِ رحیمیہ'' رائے پور میں۔ ایک بار حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہ اور حاجی بدرالدین میرٹھی کے ہمراہ رائے پور پہنچے اور حضرتؒ سے ملاقات کی۔ عصر بعد کی مجلس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کوئی کتاب سنی جاتی تھی، پچھلی شب کو ذاکرین کے ذکر سے خانقاہ کے در و دیوار سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باغ کے

درخت بھی ذکر سے مست ہو کر جھوم رہے ہیں۔ بندے نے ایسا پُر کیف منظر کبھی نہیں دیکھا تھا، طبیعت بے حد متاثر ہوئی۔

لکھنؤ کے آزاد صاحب پُر کیف اشعار سناتے تھے، بعض حضرات پابندی سے ''الجمعیۃ'' اخبار کی اہم خبریں حضرت کو سناتے، شہر کے ماحول سے دور خانقاہ میں قیام کے باوجود حضرتؒ حالاتِ حاضرہ سے مکمل واقفیت رکھتے تھے، مسلمانوں کے حالات سے خصوصی طور پر باخبر رہتے۔

''بھٹ ہاؤس'' میں بھی ایک دو روز قیام کی نوبت آئی، وہاں بھی مختلف کمرے آخری شب میں ذاکرین کے ذکر سے گونج اٹھتے تھے۔ ایک صاحب ذکر کرتے کرتے بہت ہی درد کے ساتھ اور پُر کیف لہجے میں یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل

نسیمِ صبح تیری مہربانی

عصر بعد کی مجلس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تشریف فرما ہوتے تو عجیب نورانی منظر ہوتا تھا، ایک طرف حضرت رائے پوری دوسری طرف حضرت شیخ الحدیث، اکابر علما، مدرسین، ذاکرین کا حلقہ، ایسی پُر کیف نورانی مجلسیں دیکھنے کو اب آنکھیں ترستی ہیں ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

رائے پور سے واپسی میں ہم لوگ جب سڑک کے قریب پہنچے تو کافی بھیڑ دیکھی، پوچھنے سے معلوم ہوا کہ عنقریب وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، بخشی غلام محمد اور گپتا جی کا قافلہ آنے والا ہے۔ چند منٹ میں کاریں نظر آنے لگیں، دیہاتی بچوں کو دیکھ کر پنڈت نہرو نے گاڑی روک دی اور نیچے اتر گئے، حاجی بدرالدین صاحب پرانے کانگریسی تھے، ان کو دیکھ کر پنڈت نہرو آگے بڑھے اور ان سے مصافحہ کیا۔ حاجی بدرالدینؒ نے مولانا ارشد مدنی کا تعارف کرایا کہ حضرت مدنی کے فرزند ہیں، تو پنڈت نہرو نے فوراً گھر والوں کی خیریت پوچھی اور بخشی غلام محمد کی طرف اشارہ کیا کہ یہ بخشی صاحب ہیں، ان سے ملے اور آگے بڑھ گئے۔ پرانے لیڈروں میں تعلقات کا نبھاؤ اور رکھ رکھاؤ تھا جو اس واقعے سے ظاہر ہو رہا ہے۔

تقسیمِ ہند کے ہولناک حالات میں حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوریؒ ودیگر مشائخ کی مساعی اور توجہاتِ عالیہ نے مسلمانوں کو سہارا دیا؛ ورنہ بظاہر حالات اتنے خراب تھے کہ شاید اس خطے میں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہتا۔

اللہ تعالیٰ ان اکابرین کو اعلیٰ علیین میں مراتبِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

(ولادت:۱۳۱۶ھ-۱۸۹۸ء، وفات: ۵/رجب ۱۳۸۵ھ-اکتوبر ۱۹۶۵ء)

حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی برِّ صغیر کے مشہور اصحابِ درس علما میں تھے۔ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے خصوصی فیض حاصل فرمایا اور سالہا سال تک درسِ حدیث شریف میں مشغول رہے۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان اور پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔

عمر کے بالکل ابتدائی دور ہی سے مولانا بدرِ عالمؒ کا اسمِ گرامی سننے میں آرہا تھا کہ اسی زمانے میں مولانا ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' کے مشہور اساتذۂ حدیث میں تھے، اسی دور میں ہمارے گاؤں کا پودرا بھی تشریف لائے؛ مگر اس وقت ناچیز کی عمر سات یا آٹھ سال ہوگی، دھندلا سا نقش ذہن میں رہا اور بس۔

تقسیمِ ملک کے بعد مولاناؒ پر آزمائش کا دور آیا، پاکستان تشریف لے گئے؛ مگر وہاں کے حالات کا بہت جلد اندازہ فرمالیا اور مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، زندگی کے آخری لمحات تک مدینۂ پاک میں مقیم رہے اور بیعت وارشاد سے ہزاروں لوگوں کو فیض پہنچایا۔

۱۹۵۳ء کے جولائی میں نانی اماں کو لے کر حرمین شریفین کا سفر ہوا تو مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صفِ اول میں تشریف فرما تھے۔ ایک واقف شخص نے اشارہ فرمایا کہ آپ ہیں مولانا بدرِ عالم میرٹھی، قریب جا کر مصافحہ کیا، مولانا

عبدالحی بسم اللہؒ اوران کے شاگرد وخادم مولانا حکیم سلیمان جیتالویؒ کا سلام پہنچایا۔ مولانا نے فرمایا ’’یہ مسجدِ نبوی ہے، یہاں بات کرنا مناسب نہیں،کل اشراق کے بعد مدرسہ شرعیہ آجایئے اور چائے پی لیجیے‘‘ یہ سن کر بندہ پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے روز حضرتؒ کی قیام گاہ پر حاضری دی، ناشتہ کیا، حضرتؒ ڈابھیل اور گجرات کے حالات پوچھتے رہے، پھر مسجدِ نبوی کی پابندی سے حاضری اور آداب کے بارے میں مختصر نصیحتیں فرمائیں۔

نانی اماں کی وجہ سے زیادہ دیر اِدھر اُدھر جانا میرے لیے مشکل تھا کہ وہ ۲۰، ۲۵ منٹ کی غیر حاضری پر بھی پریشان ہوتی تھیں اور عمر بھی ابھی ۲۰/سال کی تھی، اس لیے شعور بھی نہ تھا کہ روزانہ حاضر ہوکر استفادہ کریں؛ مگر ۱۹۵۹ء میں جب خالہ کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر ہوا تو مدینہ منورہ میں بعد العصر آپ کی مجلس میں شرکت کا معمول بنایا۔

حج کے بعض مسائل دریافت کئے تو جواب دے کر فرمایا کہ مولانا شیر محمد سندھی مدینہ منورہ میں موجود ہیں ان سے بھی معلوم کرلو، اگر ان کی تحقیق میری تحقیق کے خلاف ہو تو ان کی بات قبول کرلینا کہ میں ان کو اس زمانے میں مسائلِ حج میں امام مانتا ہوں۔ حضرت مولانا بدرِ عالم رحمہ اللہ کی بے نفسی اور اپنے مُعاصر عالم کی ایسی وقعت سے بڑا اثر ہوا، اور حضرت مولانا شیر محمد سندھی مصنف ’’زبدۃ المناسک‘‘ کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں مغرب کے بعد شیخ عمر فلاتہ ’’بلوغ المرام‘‘ کا درس دیتے تھے، بندہ ان کے درس میں حاضر ہوکر سبق سنتا تھا۔ تین چار روز کے بعد درس کے ختم

ہونے کے بعد انہوں نے قریب بلایا اور نام و وطن وغیرہ پوچھا اور پھر مصافحہ، سلام وغیرہ کے کچھ اختلافی مسائل شروع کئے، دو ہاتھ سے مصافحہ کو غیر ضروری بتایا۔

بندہ دوسرے روز مولانا بدرِ عالمؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو ان مسائل کے بارے میں دلائل معلوم کئے، ناچیز کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہاں کے ماحول میں ان اختلافی مسائل پر بحث مناسب نہیں۔ حضرتؒ نے خفگی کے ساتھ فرمایا: کیا یہاں ایسے مسائل میں بحث ومباحثہ کے لیے آئے ہو؟ ہندوستان میں اتنی مدت کیا کرتے رہے کہ اب یہاں تحقیق کرنے آئے؟ بندے کو بہت شرمندگی ہوئی اور خاموش ہوکر بیٹھا رہا۔

اختتامِ مجلس پر قریب بلایا اور فرمایا کہ کل کسی وقت صبح آجانا، عام مجلسوں میں اختلافی مسائل نہ چھیڑو۔ ایک روز دریافت فرمایا کہ ہندوستان میں کیا مشغلہ ہے؟ عرض کیا کہ تدریسی کام میں لگا ہوں، فرمایا قدوری میں ’’فتح القدیر‘‘ اور ترجمہ میں ’’تفسیر ابن کثیر‘‘ اور ’’رازی‘‘ نہ پڑھانا، نفسِ کتاب کا حل اور عبارت کی تفہیم ضروری ہے۔

ایک دوسری مجلس میں فرمایا کہ ہمارے ہندوستان کے مدرسوں میں ’’مشکاۃ شریف‘‘ تک حدیثِ پاک کی کوئی کتاب طالبِ علم نہیں پڑھتا اور اس کا یہ نتیجہ دیکھا کہ بعض طالبِ علم عربی چہارم تک مدرسے میں پڑھ کر کسی وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں اور حدیث شریف سے محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ ابتدائی درجہ سے احادیث پڑھاتے جاؤ، پہلے مختصر احادیث پھر درجہ بدرجہ کتابیں پڑھاؤ۔

حضرتؒ کے اس ارشاد کے بعد ہی ’’دارالعلوم فلاحِ دارین‘‘ میں عربی سوم سے ’’ریاض الصالحین‘‘ شروع کروائی۔ ارشاد فرمایا کہ طالبِ علموں کی استعداد کمزور ہوگئی ہے؛ اس لیے اگر اردو کتابوں سے بھی وہ سمجھنے لگیں تو مطالعہ کرنے دو، وہ پہلا دور ختم ہوگیا کہ اساتذہ اردو شروحات کا مطالعہ ناپسند فرماتے تھے۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ قرآن مجید کی طرح حدیثِ پاک کی بھی روزانہ کوئی نہ کوئی کتاب مطالعہ میں رکھو، خاص طور پر ''تجریدِ بخاری شریف'' خریدنے کے لیے فرمایا کہ روزانہ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ پڑھ لیا کرو، ضرورت کے وقت یاد آئے گا کہ ''بخاری شریف'' میں یہ حدیث موجود ہے۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ ہم دیوبندیوں نے بریلویوں کے غلو کے مقابلے میں ایسا رویہ اختیار کیا کہ دن میں سو مرتبہ بھی درود شریف نہیں پڑھتے، یہ غلط طریقہ ہے، درود شریف کثرت سے پڑھتے رہو۔

بہرحال اس ہفتہ عشرہ کی مجلسوں میں شرکت سے بہت سی مفید نصائح سے مستفید ہوئے۔

حضرت مولاناؒ وقت کے نہایت پابند تھے، مغرب سے ایک گھنٹہ پہلے فرمادیتے کہ صفِ اول کے شائقین تشریف لے جائیں اور تھوڑی دیر میں آپ خود بھی مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لے جاتے۔

طعام ولباس میں بے حد نفاست پسند وخوش ذوق تھے، عصر کے بعد مجلس میں عمدہ چائے بھی پلاتے تھے۔ اس مجلس میں پاک و ہند کے علاوہ افریقہ وغیرہ ملکوں کے لوگ بھی ہوتے، سب ہی لوگ خاموشی اور ادب سے حضرتؒ کے ملفوظات سے مستفید ہوتے تھے۔ چہرہ اتنا روشن تھا کہ واقعی بدرِ عالم معلوم ہوتے تھے۔

رحمه الله تعالٰی رحمة واسعة

وتغمده الله تعالٰی بغفرانه و رحمته!

مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ

(ولادت: ۱۳۱۸ھ-۱۰/جنوری ۱۹۰۱ء، وفات: یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ-۲/اگست ۱۹۶۲)

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ مشہور عالمِ دین، مصنف اور جنگِ آزادی کے ممتاز مجاہدین میں تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد مسلمانانِ ہند کی جس بے جگری سے خدمت کی اور اپنی صحت کا خیال کیے بغیر جس طرح میدان میں ڈٹے رہے وہ آپ ہی کا حصہ تھا اور واقعی آپ مجاہدِ ملت کے خطاب کے مستحق تھے۔

بندے نے ۴۹،۱۹۴۸ء میں پہلی بار بمبئی ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے اجلاس میں آپ کی تقریر سنی، تقریر کیا تھی آبشار تھا جو بہہ رہا تھا۔ اس کے بعد ''دارالعلوم'' میں داخلے کے بعد مجلسِ شوریٰ کے جلسوں میں آپ کو دیکھا، طلبائے دار العلوم کی درخواست پر تقریر بھی فرمائی۔

گجرات کے سفر پر کئی بار تشریف لائے، ساتھ رہنے اور خدمت کا بھی موقع نصیب ہوا۔ آپ کی جرأتِ ایمانی، سیاسی سوجھ بوجھ اور وسعتِ ظرفی کا اندازہ انہی سفروں میں ہوتا رہا۔ سورت کے اجلاسِ جمعیۃ کے موقع پر ایک خصوصی مجلس میں فرمایا کہ بھائی ''مسلم گجرات'' کے ایڈیٹر مُنادِی صاحب کو دعوت دو اور ان کو قریب کرو، ایک پرانے جمعیتی اور مخلص شخص نے عرض کیا حضرت! مُنَادی صاحب آج تک ''جمعیۃ العلما'' کی مخالفت کرتے رہے اور ''مسلم لیگ'' کا کام کرتے رہے، اب ان کو کس طرح ساتھ لے سکتے ہیں؟ فرمایا ملک کی تقسیم کے بعد حالات بدل گئے ہیں

اب نہ کوئی لیگی ہے نہ کانگریسی، پرانی باتیں بھول جاؤ اور مسلمانوں کو متحد کر کے کام کرو، سیاست میں اس طرح سوچنا ٹھیک نہیں ہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ صاحب کی یہی بصیرت تھی جس نے بہت سے لوگوں کو ''جمعیۃ العلما'' کے کاموں میں لگایا، حالاں کہ آزادی سے قبل وہ ''جمعیۃ'' کا نام بھی لینا پسند نہیں کرتے تھے۔

''دارالعلوم'' سے ہم نے عربی جریدہ ''الیــــقــــظة'' شروع کیا اس کے دیکریشن میں مشکل پیش آرہی تھی، دہلی حاضر ہوکر حضرتؒ سے عرض کیا، فوراً سکریٹری کو بلا کر خط لکھوایا اور ہمت افزائی فرمائی۔

''دارالعلوم'' ہی کے قیام کے زمانے میں دہلی حاضری ہوئی اور گلی قاسم جان والے دفتر میں حاضر ہوکر جناب حسام الدین صاحب سے عرض کیا کہ مجھے پارلیمنٹ دیکھنے کا شوق ہے پاس عنایت فرمادیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ پارلیمنٹ کے ممبر تھے، دو پاس عنایت فرما سکتے تھے۔ حسام الدین صاحب نے فرمایا کہ آج تو دو آدمیوں کو وعدہ کرلیا ہے کل تشریف لائیں، دوسرے روز حاضر ہوا تو فرمایا کہ آج بھی نہیں دے سکتا آئندہ کل تشریف لائیں۔ مجھے ناگوار ہوا اور ناراضگی کا اظہار کر کے جلدی سے دفتر سے باہر نکلا، مولانا حفظ الرحمٰنؒ دوسری طرف چیک کے پیچھے تھے، فوراً ملازم کو بھیجا اور مجھے واپس بلا کر فرمایا: بھائی! ناراض نہ ہوں، آئندہ کل میں خود اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ مولانا کے اس اخلاقِ کریمانہ سے پانی پانی ہوگیا، کہاں مجاہدِ ملت اور کہاں یہ معمولی طالبِ علم؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو بلند اخلاق کا جو حصہ عطا فرمایا تھا اس نے ہمارے جیسے کتنے نادانوں کی زندگی کا رخ بدل دیا ہوگا۔

مولاناؒ کی پُر جوش ایمانی تقریروں کے الفاظ اب تک کانوں میں گونج رہے ہیں، فرماتے تھے: مسلمان اور بزدلی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، ہم اس ملک کے برابر کے حصہ دار ہیں، جتنا حق جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل کو ہے اتنا ہی حسین احمد اور حفظ الرحمٰن کو بھی ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے کہ ملکی کاموں میں شرکت کرو، گھر بیٹھ کر رونے سے تمہارے مسائل حل نہیں ہوسکتے، جمہوری ملک میں جماعتوں میں شامل ہونا ضروری ہے، حالات چاہے جتنے خراب ہوں مایوسی کو قریب نہ آنے دو، اگر تم ہمت کر کے ڈٹ جاؤ گے تو دنیا کی کوئی طاقت یہاں سے تم کو نہیں نکال سکتی وغیرہ۔

جن لوگوں نے مولانا اور ان کی جماعت کو گالیاں دی تھیں وقت پڑنے پر مولانا نے جان کی بازی لگا کر ان کی حفاظت کی سعی کی اور کبھی زبان سے طعن وتشنیع کا حرف نہیں نکالا، واقعی مولانا عظیم انسان تھے۔

ایک مرتبہ ڈابھیل تشریف لائے، بندے کی تدریس کا پہلا سال تھا، عِشا کے بعد خدمت کر رہا تھا، پوچھا کہاں کے رہنے والے ہیں، عرض کیا کاپودرا ایک چھوٹی بستی ہے، فوراً فرمایا: ہاں ہاں میں جانتا ہوں، میرے ایک شاگرد مولوی اسماعیل کاپودرا(۱) کے تھے اور بہت ذہین اور صالح تھے۔ (مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے

---

(۱) **حضرت مولانا اسماعیل گورا موٹا صاحب کاپودرویؒ**: تخمیناً ۱۹۱۰ء میں ولادت ہوئی، جامعہ ڈابھیل سے ۱۹۳۴ء میں فراغت حاصل کی، بعدہٗ ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام فرما کر تعلیم حاصل فرمائی۔ حضرت تھانویؒ سے بھی تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے آپ سے ایک سوال فرمایا جس کے جواب پر حضرت نے آپ کی تعریف فرمائی، اور فرمایا: ماشاءاللہ مولوی اسماعیل خوب سمجھتے ہیں۔ حضرتؒ کا یہ ارشاد آپ کی ذہانت کے سلسلے میں سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی رحمہم اللہ جیسے فضلائے روزگار آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ افسوس ہے کہ نوجوانی ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔

ع......خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود!

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ ڈابھیل کا قیام فرمایا تھا اور مدرس تھے، مولوی اسماعیل مرحوم نے اسی زمانے میں مولاناؒ سے پڑھا تھا۔

ڈابھیل کی طالبِ علمی کے زمانے میں اساتذہ سے سنا تھا کہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ اپنے کمرے میں ٹہلتے جاتے اور یہ شعر خاص انداز میں پڑھتے تھے ؎

نہ مسجد میں نہ مندر میں نہ بیت اللہ کے سایہ میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

اور اسی ڈابھیل کے قیام کے زمانے میں گاندھی جی 'دہامن' آئے جو ڈابھیل کے قریب گاؤں ہے تو مولاناؒ نے ان سے ملاقات کی اور نمک ستیہ گرہ کی تائید فرمائی۔

مولاناؒ صرف سیاسی لیڈر ہی نہ تھے، بہترین عالم اور مصنف بھی، ان کے قلم سے ''قصص القرآن''، اور ''اسلام کا اقتصادی نظام'' جیسی اہم کتابیں نکل چکی ہیں، اگر وہ سیاست کے خارزار میں نہ ہوتے تو اس میدان میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔

ہم نے ان کی تقریروں اور مجلسی گفتگو سے فائدہ اٹھایا، اسی طرح کتابوں سے بھی مستفید ہوئے۔ **فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين أحسن الجزاء!**

حضرت مولاناؒ سے کاپی میں نصیحت لکھنے کی درخواست کی تو تحریر فرمایا:

الدين النصيحة (دین خیر خواہی کا نام ہے)۔ **حفظ الرحمٰن كان الله له!**

حضرت مولانا علی محمد تراجوی صاحبؒ

(ولادت: ۱۳۱۲ھ-۱۸۹۳ء بمقام تراج
وفات: ۶/ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ-۶/فروری ۱۹۶۸ء)

حضرت مولانا علی محمد تراجوی صاحبؒ ''دار العلوم دیوبند'' کے قابل فضلا میں تھے، شاید آپ پہلے گجراتی عالم تھے جن کو ''دار العلوم دیوبند'' میں معین المدرسین کی حیثیت سے جگہ ملی تھی، فقہ، حدیث شریف اور علومِ عربیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔

جب ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں طالبِ علمی کا دور شروع ہوا تو ڈابھیل کے اطراف کے جن علمائے کرام سے واقفیت ہوئی ان میں حضرت مولاناؒ کی ذاتِ گرامی بھی تھی، کبھی طلبہ کے ہمراہ اور کبھی استاذِ محترم مولانا عبد الحی صاحبؒ کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتے اور ملفوظات سنتے۔

حضرت مولانا بہت باوقار اور خاموش رہتے؛ مگر جب کوئی سُوال کیا جاتا تو واضح جواب عنایت فرماتے تھے، تعلیمی کاموں کے ساتھ اصلاحِ مُعاشرہ اور دینی تحریکات میں بھی برابر شریک ہو کر رہنمائی فرماتے تھے۔

''مجلسِ خدام الدین'' قائم ہوئی تو اس کے سرپرستوں میں آپ بھی تھے، مکاتبِ دینیہ کے لیے نصاب تیار کرنے کے کاموں میں آپ نے قیمتی مشورے عنایت فرمائے۔

تدریس کے زمانے میں بھی حاضری ہوتی رہی، ''جامعہ'' کے احوال دریافت فرماتے، ابتدائی عربی درجات میں طلبا پر خصوصی توجہ دینے پر توجہ دلاتے۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ کمزور طلبا کو ایک طرف بٹھانے اور صرف ذہین طلبا کو سامنے رکھنے کا مدرسین کا طریقہ صحیح نہیں ہے، کمزور طلبا مدرس کی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ مدرسینِ کرام اگر ان کو قریب رکھ کر درس دیں تو دو تین بار بات دوہرانے سے ذہین طلبا کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اس غریب کو فائدہ ہو جائے گا۔ مولاناؒ طلبا میں نظام کی پابندی اور ان کی اخلاقی تربیت کا بہت خیال فرماتے تھے۔

باوجود پیرانہ سالی بندے کی مجلسِ نکاح میں تشریف لائے اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ سے بہت گہرے تعلقات تھے، اس لیے ڈابھیل تشریف آوری ہوتی رہتی تھی؛ مگر آپ کی تقریر سننے کا کبھی موقع نہ مل سکا۔

ہمارے درجے کا ''بخاری شریف'' کا امتحانِ تحریری آپ ہی نے لیا تھا، ''کتاب العلم'' کی ایک مختصر حدیث شریف تحریر فرما کر اس کا صاف ترجمہ طلب کیا گیا؛ تا کہ معلوم ہو سکے کہ طلبا مشہور سُوالات پر تیاری کرتے ہیں؛ مگر حدیث شریف کا ترجمہ صحیح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اتنی اعلیٰ استعداد اور قابلیت کے باوجود رہن سہن میں جو سادگی تھی، وہ علمائے سلف کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔ معمولی کچی دیواروں کا مکان مسکن تھا، اور اس کا باہری صُفّہ مدرسہ اور دار الافتا تھا، سالہا سال اسی پر درس بھی ہوتا رہا اور دفتری کام بھی وہاں بیٹھ کر ہی انجام دئے گئے۔ اس کچے گھر میں جن طلبا نے آپ سے پڑھا انہوں

نے ''جامعہ ڈابھیل'' اور ''دار العلوم دیوبند'' جا کر اعلیٰ نمبرات حاصل کئے اور ملک وبیرونِ ملک تعلیمی واصلاحی کام کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

تراج میں ''مدرسہ مفتاح العلوم'' آپ ہی کی بہترین یادگار ہے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

☆☆☆☆☆

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ
خلقے بتو مشغول تو غائب زمیانہ
گہ معتکف دیرم وگہ ساکن مسجد
یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری صاحبؒ

(ولادت: ۳۰/ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ-۱۳/ستمبر ۱۸۸۳ء، بروز پنجشنبہ
وفات: یکم محرم ۱۳۸۲ھ-۵/جون ۱۹۶۲ء، بروز سہ شنبہ بمقام لاجپور)

مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب ضلع سورت کے مشہور قصبہ لاجپور میں پیدا ہوئے۔ابتدا سے لے کر ''مشکاۃ شریف'' تک تعلیم لاجپور کے مختلف علما خصوصاً مشہور عالم استاذ العلما مولانا احمد میاں صوفیؒ (۱) سے حاصل فرمائی۔اس کے بعد کان پور

(۱) **مولانا احمد میاں بن صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ:** آپ کی ولادت ۸ یا ۹/ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ اور مولانا نظام الدین باجوڑوی ترکیسری نقشبندیؒ کے خلیفہ تھے۔والد ماجد کے زیرِ سایہ تربیت حاصل فرمائی۔کم عمری ہی میں تمام علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی۔آپ کے شاگردوں میں گجرات کے بڑے بڑے علما ہیں جن کے ہاتھوں آگے چل کر گجرات میں احیائے علم ودین کا زبردست کارنامہ انجام پذیر ہوا، جن میں بطور مثال مولانا احمد حسن بھام صاحب، مولانا احمد بزرگ صاحب، مولانا عبدالحی لاجپوری صاحب اور مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہم اللہ جیسے اکابرین پیش کئے جاسکتے ہیں۔آپ کے اساتذہ میں مولانا سلطان احمد صاحب پنجابی تلمیذ قاسم العلوم، مولانا محمد اسحاق صاحب تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مولانا رحیم بخش دہلوی ہیں۔شعر سے بھی آپ کو خصوصی ذوق تھا۔نخبۃ الفکر، مسلم الثبوت، شافیہ، الفیہ، تلخیص المفتاح، فصوص الحِکم، عیون المسائل، بدء الامالی وغیرہ کتب کی شروحات تحریر فرمائیں اور لوائح جامی، مناظرہ رشیدیہ، خلاصۃ الحساب، شرح تہذیب، عروض المفتاح، بدایۃ الھدایہ وغیرہ دسیوں کتابوں کا ترجمہ فرمایا؛ ان میں سے چند ہی کتابیں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکیں، اور بقیہ تشنۂ تکمیل ہی رہ گئیں۔افسوس! کہ یہ گوہرِ شب چراغ اپنی عمر عزیز کی صرف بتیس بہاریں دیکھ پایا تھا کہ گُم ہوگیا۔آپ جیسی جامع المنقول والمعقول، ماہر علوم وفنون شخصیات سالوں میں کہیں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔آپ کی وفات کا سانحہ ۷/شعبان ۱۳۲۷ھ-۲۴/اگست ۱۹۰۹ء بروز سہ شنبہ پیش آیا۔بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ''أدخلـــه الحق في جنته'' سے نکالی ہے۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

و دہلی کا سفر فرمایا۔۱۳۲۳ھ میں ''مدرسہ عبدالرب دہلی'' میں علوم کی تکمیل فرمائی۔

''جامعہ ڈابھیل'' کی طالبِ علمی ہی کے زمانے میں کبھی جمعرات کی شام اور کبھی جمعہ کے روز لاجپور جا کر زیارت کرتے تھے۔آپ کی مجلس خالص علمی مجلس ہوتی، طلبا کو دیکھ کر طبیعت کھل جاتی اور بزرگوں کے واقعات اور ان کی علمی خدمات کا تفصیلاً تذکرہ فرماتے۔اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ حافظہ عطا فرمایا تھا، چہرہ پر عالمانہ وقار نظر آتا تھا، وضع قطع بھی بہت صاف ستھری تھی، گھر میں ہر طرف کتابیں سلیقہ سے رکھی ہوئی نظر آتی تھیں۔اردو زبان دہلی والوں کے طرز پر بہت اچھی بولتے تھے۔ہر ملاقات پر مختلف کتابوں کی نشاندہی فرماتے اور مطالعہ کرنے کی تاکید فرماتے۔مولاناؒ کا تصنیفی ذوق بھی اچھا تھا، اہلِ بیت کے فضائل ومناقب پر ''سفينة الخيرات في ذكر مناقب السادات'' کتاب تصنیف فرمائی۔

دو تین بار مختلف مجلسوں میں حضرتؒ کی تقریر سننے کا بھی موقع ملا، فصیح اردو میں اچھی تقریر فرماتے تھے۔کچھ مدت کے لیے ''جامعہ ڈابھیل'' کے اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔مولانا بہت نیک سیرت انسان تھے، طلبا خدمت میں آتے اور مختلف اعذار پیش کر کے گھر جانے کی رخصت طلب کرتے، بندہ اس زمانے میں ''جامعہ'' میں ابتدائی درجات کا مدرس تھا اور حضرتؒ کے قریب والے کمرے ہی میں قیام تھا۔چند روز طلبا کی آمد ورفت دیکھی تو عرض کیا کہ حضرت! یہ طلبا غلط بہانے بنا کر رخصت لیتے ہیں؛ مگر حضرتؒ کو اس کا یقین نہیں ہو رہا تھا۔شام کو ایک طالبِ علم پھٹے کپڑے پہن کر آیا اور مسکین بن کر کپڑے بنانے کے لیے گھر جانے کی رخصت

طلب کی، بندے نے کمرے سے نکل کر درخواست کی: حضرت! اس کے کمرے سے صندوق طلب کرتا ہوں آپ اس کو ملاحظہ فرما کر رخصت کا فیصلہ فرماویں۔ جب صندوق منگوا کر کھولا تو تین جوڑے اچھے کپڑے موجود تھے، حضرتؒ دیر تک لاحول پڑھتے رہے اور فرماتے رہے کہ اچھا اب طلبا بھی اس طرح مکر وفریب کرنے لگے ہیں! اس کے بعد رخصت کا معاملہ بندے کو سپرد فرمایا کہ مولوی صاحب آپ ہی ان سے نمٹ لیں، یہ حضرات اپنے خلوص اور پاک طینتی کے سبب طلبا سے اس طرح کذب بیانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مولاناؒ کے زمانۂ اہتمام ہی میں بعض گھریلو اعذار کے سبب ''جامعہ'' سے الگ ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا تو مولاناؒ افسوس کا اظہار فرماتے رہے اور فرمایا کہ بھائی ''سر کیا مونڈا یا کہ اولہ پڑا'' والی بات ہوئی، ہمیں اپنے کام کے لیے آدمی ملا تھا؛ مگر اب یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ ان بزرگوں کو اپنے خُردوں کی ترقی اور ان کو آگے بڑھانے کا مخلصانہ جذبہ ملا تھا؛ اس لیے ایسے فیصلوں سے رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ بندے نے تفصیلی حالات رکھے تو فرمایا کہ ہاں! واقعی مجبوریاں ہیں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

سید عبدالاحد کوثر مرحوم نے آپ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا تھا اس کا ایک شعر یہ ہے:

آپ ہی کی ذات تھی گنجینۂ علم و ہنر
آپ کی ہستی تھی ہم سب کے لیے آبِ حیات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ

(ولادت: ۵/دسمبر ۱۹۱۴ء-۱۳۳۳ھ، بمقام تکیہ کلاں رائے بریلی
وفات: ۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء، بروز جمعہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمہ اللہ عالمِ اسلام کے معروف عالم اور اردو، عربی کے صفِ اول کے مصنّفین میں ہیں، جن کی کتابوں سے پورا عالمِ اسلام مستفید ہو رہا ہے، سیکڑوں عرب نوجوانوں نے مولانا کی کتابوں سے فائدہ اٹھا کر زندگی کی راہ بدلی۔

طالبِ علمی کی زمانے سے ''الفرقان'' کے صفحات پر حضرت مولانا کے مضامین پڑھتا تھا پھر مولانا کی مشہور عربی کتاب ''**ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**'' کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو اس کو کئی بار پڑھا، اسی وقت سے مولانا کی تحریروں سے گرویدگی ہوئی، اور مولانا کی زیارت کا شوق پیدا ہوا؛ مگر ملاقات کا جلد موقع نہ مل سکا۔

۱۹۵۸-۵۹ء میں جب ''دارالعلوم دیوبند'' میں دوبارہ حاضری ہوئی تو ایک رفیقِ درس نے -جن کے ساتھ مولانا مدظلہ کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی- یہ مُژدہ سنایا کہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری سہارن پور میں مقیم ہیں اور لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن بھی وہاں تشریف لائے ہیں۔ اسی شام سہارن پور روانہ ہو گیا، حضرت

رائے پوریؒ کے کمرے سے متصل ایک کمرے میں مولانا قیام پذیر تھے، ملاقات سے مشرف ہوا، دعا کی درخواست کی اور واپس آ گیا۔

پہلی ہی ملاقات میں مولانا کی سادگی، تواضع، نرم گفتاری وغیرہ اوصاف کا اندازہ ہوا اور دل میں خاص تعلق پیدا ہوتا گیا۔

پھر اسی دیوبند کے زمانے میں ''الیقظة'' نامی عربی اخبار شائع کرنے کا قصد کیا تو حضرت مولاناؒ سے مشورہ کرنے اور آپ کی رائے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت ''فیضِ عام کالج میرٹھ'' کے کسی جلسے میں میرٹھ تشریف لائے تھے، ہم دو تین ساتھیوں کے ساتھ خدمتِ والا میں حاضر ہوئے، حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور ہمت افزائی فرماتے رہے۔ بندے نے عرض کیا کہ احمد امین، طٰہٰ حسین اور منفلوطی کی کتابیں پڑھتا ہوں؛ مگر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا پڑھتے رہو آہستہ آہستہ مناسبت پیدا ہوگی اور لغاتِ جدیدہ سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی۔ فرمایا کہ اگر ستر اسی فیصد مفہوم سمجھ میں آ جائے تب بھی کافی ہے، پھر تواضعاً فرمایا: بعض الفاظ میری سمجھ میں بھی نہیں آتے؛ مگر سیاق وسباق سے مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔

یہ دوسری ملاقات تھی، اس کے بعد لکھنؤ حاضر ہو کر شرفِ باریابی حاصل کیا۔

مولاناؒ اور آپ کی کتابوں سے اتنا تعلق ہوا کہ عربی اور اردو کی اکثر کتابیں خرید کر یا کتب خانے سے حاصل کر کے پڑھ ڈالیں۔ بعض کتابوں کو اس طرح پڑھا کہ عربی اور اس کا اردو ترجمہ دونوں سامنے رکھا اور ایک ایک قطعہ پڑھتا جاتا اور ترجمہ پر غور کرتا جاتا تھا، اس طرح عربی زبان اور اس کی اردو تعبیر کا ڈھنگ بھی معلوم ہوا۔

حضرت مولانا کی عربی اور اردو تحریریں دونوں یکساں مؤثر ہیں۔ مولانا کی کتابوں کا سب سے بڑا وصف مجھے یہ نظر آیا کہ مولانا کی ہر تحریر دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مولانا کا سوزِ دروں دل کو چھوتا محسوس ہوتا ہے ''ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد'' کا صحیح مصداق مولانا کی تحریریں ہیں۔

مجھے اس بات کے اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ میری فکر ونظر کو مولانا کی کتابوں نے جلا بخشی ہے۔

''دار العلوم فلاحِ دارین'' کی درس گاہوں والی عمارت کی بنیاد حضرت ہی کے دستِ مبارک سے رکھی گئی، بارش موسلا دھار برس رہی تھی اور مولانا دست بدعا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا میں یہ برکت عطا فرمائی کہ ''فلاحِ دارین'' مختصر مدت میں ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا۔

کئی بار ''دار العلوم'' کے طلبا سے خطاب فرمایا، مدرسین کے سلسلے میں فرمایا کہ مدرس میں دو وصف بہت ضروری ہیں: اخلاص اور اختصاص، جو کتاب پڑھائے اس میں مہارت ہو اور مخلص بھی ہو، ان دونوں لفظوں میں حضرت نے بہت بڑا اصول بیان فرما دیا۔

حضرت رحمہ اللہ کی محبت اور شفقت بڑھتی گئی اور کئی بار مختلف اہم اجلاس میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا۔ ''**الندوة العالمية للأدب الإسلامي**'' کا دعوت نامہ بھیجا اور اس کا ممبر بنایا۔ اِصلاحِ نصاب کے جلسے میں مدعو کیا۔ ''دار العلوم فلاحِ دارین'' کے سلسلے میں جب بھی کسی تعاون کی ضرورت پڑی مدد فرمائی۔ بندے

نے کئی بار لکھنؤ کا سفر کیا اور حضرت کی صحبت سے مشرف ہوا۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ صرف کتاب کا سرسری مطالعہ مفید نہیں، کتاب اس طرح پڑھنا چاہیے کہ گویا اس کے مضامین کو چاٹ رہے ہیں، اور فرمایا ہم نے احمد امین کی ''فجر الاسلام''، ''ضحیٰ الاسلام'' وغیرہ کتابیں اسی طرح بار بار پڑھی ہیں۔

مدارس کے نصابِ تعلیم کے بارے میں فرمایا کہ استاذِ محترم سید سلیمان ندویؒ فرماتے تھے کہ اصل مسئلہ استاذ کا ہے، اگر استاذ فن پر عبور رکھتا ہے تو کوئی بھی کتاب ہوگی طلبا میں فن سے لگاؤ پیدا کر دے گا۔ اور فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانے میں جو الگ الگ ایک ایک فن پڑھنے کا رواج تھا وہی صحیح طریقہ ہے، اُس دور کے علما میں اسی لیے استعداد پختہ ہوتی تھی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا تعلق مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ یعقوب مجددیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ وغیرہم سے بہت ہی گہرا رہا ہے؛ اس لیے ان بزرگوں کی قرآن فہمی، علمی و تاریخی جستجو، دینی حمیت، اصلاحِ قلب پر پوری توجہ، دل کا سوز و گداز اور دین کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ ورثہ میں ملا ہے اور اس کے اثرات آپ کی پوری دینی جِدّ و جُہد میں نمایاں ہیں۔

مولاناؒ نے اپنے خردوں کے ساتھ ذرہ نوازی کا جو معاملہ رکھا رہا ہے اس کی ایک چھوٹی مثال یہ ہے کہ ''قصص النبیین کے جواہر پارے''(۱) کے عنوان سے بندے نے ایک مختصر مضمون ''تعمیرِ حیات'' میں شائع کیا، جس میں اس کتاب کی اہمیت اور اس کی بعض اہم خوبیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ چند روز کے بعد گرامی نامہ موصول ہوا کہ آپ نے ''قصص النبیین'' کی جس طرح پذیرائی فرمائی مصنف اس پر آپ کا شکرگزار ہے کہ عربی مدرسوں میں اس کتاب کو جو درجہ ملنا چاہیے وہ نہیں ملا وغیرہ۔ یہ مولانا کی عظمت اور شرافت کی بات تھی؛ ورنہ کجا من و کجا آسمانِ علم و فضل کا یہ آفتاب!

ایک مرتبہ سہارن پور سے لکھنؤ تک سفر میں ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، رڑکی اسٹیشن پر ایک خاتون ہمارے ڈبے میں داخل ہوئیں۔ اس ڈبے میں لکھنؤ اسمبلی کے چند ممبران اور حضرت مولانا اور ناچیز کی برتھ تھیں۔ خاتون نے ہندو ممبران سے درخواست کی کہ کوئی صاحب اپنی نچلی برتھ مجھے عنایت کر دیں کہ میرے لیے اوپر چڑھنا دشوار ہوگا؛ مگر ان میں سے کسی نے اثبات میں جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد حضرت نے فرمایا: بہن! آپ فکر نہ کریں ہم آپ کو اپنی نشست خالی کر دیں گے، اس نے شکریہ ادا کیا۔ بندے نے عرض کیا: حضرت! آپ کے پیروں میں تکلیف ہے پھر آپ نے یہ پیش کش کیسے فرما دی جب کہ یہ حضرات خاموش ہیں؟ فرمایا: ہمارا مذہب ہم کو کمزوروں، ضعیفوں کے ساتھ ہم دردی کی تعلیم دیتا ہے، اس لیے اگر ہم نے پیش کش کی ہے تو یہ دینی فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا کے اخلاقِ کریمہ اور سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا گہرا تعلق دیکھا تو حیران رہ گیا۔

(۱) اب یہ مضمون ''افکارِ پریشاں'' جلد اول میں شائع ہو چکا ہے۔

علم میں پختگی، اخلاق میں بلندی اور طبیعت میں سادگی کا جیتا جاگتا نمونہ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی ذاتِ گرامی میں دیکھنے کا ملا۔ کثر اللّٰہ أمثالھم!

حضرت مولاناؒ نے سفرِ گجرات میں کاپودرا غریب خانہ پر تشریف لا کر عزت افزائی فرمائی، جو ذاتِ گرامی شاہوں اور امیروں کو میزبانی کا شرف عطا کرتی ہو وہ اس کوردہ دیہات کے طالبِ علم کی دعوت قبول فرمالیں یہی ان کی عظمت، محبت اور شرافت کی دلیل ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء!

☆☆☆☆☆

یہی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے
مدینے میں مرنے کو جی چاہتا ہے
یہ کس جانِ جاناں کا فیضِ نظر ہے
کہ جی سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
بگڑنے ہی میں عمر گزری ہے ساری
خدایا! سنورنے کو جی چاہتا ہے
(نفیسؔ شاہ صاحبؒ)

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ

(ولادت: شوال ۱۳۱۷ھ-۱۸۹۸ء
وفات: ۶ رشوال ۱۴۰۴ھ-۶ رجولائی ۱۹۸۴ء، جمعہ)

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ مئوناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڈھ کے باشندے اور جید الاستعداد عالم تھے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، زندگی کا بیشتر حصہ درسِ حدیث شریف میں گزرا، مئو کے ''مدرسہ مفتاح العلوم'' کے کئی سال ناظم بھی رہے۔

راقم الحروف جب ''جامعہ ڈابھیل'' میں ۱۹۶۱ء میں دوبارہ مدرس ہوا تو حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ بھی ''جامعہ'' میں شیخ الحدیث کے منصب پر رونق افروز تھے۔ علمائے سلف کی طرح سادگی کا نمونہ تھے، درس وتدریس اور مطالعۂ کتب میں منہمک رہتے، عصر کے بعد ان کے کمرے کے باہر کھلے صحن میں کرسیاں رکھ دی جاتیں اور مدرسین جمع ہو کر علمی وسیاسی گفتگو کرتے۔

حضرت مولاناؒ خوش طبع انسان تھے، کبھی کبھی یوپی کے مشرقی علاقے کے لب ولہجے میں گفتگو فرماتے تو لطف آجاتا تھا۔ زندگی میں مختلف حالات سے گزرے تھے؛ اس لیے بعض تجربہ کی باتیں بیان فرماتے جو ہمارے لیے بہت مفید ہوتیں۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق تھا، شب زندہ دار اور ذکر وشغل میں مشغول رہتے۔ علم کے بلند مقام پر ہوتے ہوئے بھی بے حد متواضع اور چھوٹوں سے شفقت ومحبت سے ملتے تھے۔

ناچیز کا قیام اہل وعیال کے ساتھ ڈابھیل گاؤں میں تھا، کبھی کبھی غریب خانہ پر تشریف لاکر عزت افزائی فرماتے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کا نوساری میں آنکھ کا آپریشن ہوا، اس کے بعد چند روز ڈابھیل تشریف لائے تو حضرت مولاناؒ عیادت کے لیے تشریف لائے، والد صاحبؒ مولانا کے اخلاقِ عالیہ سے بہت متاثر ہوئے۔

۱۹۶۶ء میں بندہ ترکیسر "فلاحِ دارین" میں مدرس ہوکر گیا؛ مگر دو مہینہ میں وہاں نظام میں تبدیلی ہوئی اور بندے کو اہتمام کی ذمے داری سپرد کی گئی۔ خدمتِ والا میں حاضر ہوکر مشورہ طلب کیا تو فرمایا: ہمت سے کام کرو؛ مگر بندے کی ایک نصیحت یاد رکھنا کہ تدریس کا سلسلہ نہ چھوڑنا، ہمارے اداروں میں مدرسین کی ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے مہتمم کی نہیں۔

اور فرمایا کہ جن مدارس کے مہتمم مدرس بھی ہیں طلبا پر ان کا جو اخلاقی اثر ہوتا ہے وہ اُن مہتمم صاحبان کا نہیں ہوتا جو مدرس نہیں ہیں۔ اور فرمایا کہ اگر میں نے تدریس ترک کردی ہوتی تو اب اس عمر میں "بخاری شریف" نہیں پڑھا سکتا تھا۔

"دار العلوم فلاحِ دارین" بھی تشریف لائے اور بہت ہی ہمت افزائی فرماتے رہے۔ راقم الحروف بھی کئی بار خدمتِ اقدس میں ڈابھیل حاضر ہوتا رہا اور آپ کی نصائح اور دعاؤں سے مستفید ہوا۔

معمولات کی پابندی میں مثالی زندگی تھی، کئی سال خدمت میں بیٹھنے اٹھنے کا موقع ملا؛ مگر ان کی زبان سے کبھی کسی عالم کی غیبت یا ناموزوں کلمہ نہیں سنا، کردار کی ایسی پختگی نایاب ہوتی جارہی ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کے فاضل فرزندوں حکیم عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدیر "البعث الاسلامی"، لکھنؤ سے تعلقات کی وجہ سے بھی حضرت کو راقم الحروف سے زیادہ الفت تھی۔ اللہ تعالیٰ اِن شفقتوں اور عنایتوں کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

"مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ"
پھر سر سے گذرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
ہر روز سبق دیتا ہے عبرت کا یہ منظر!
مغرب میں اترتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
(نفیس)

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ

(ولادت: ۱۳۲۹یا۱۳۳۰ھ-۱۹۱۱ء، بمقام برلا، ضلع علی گڈھ
وفات: ۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ-۱۲؍نومبر ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ، بلند مقام عالمِ دین اور اصلاح وتربیت میں اپنے وقت کے ممتاز مشائخ میں تھے۔ نرم گفتار ونرم رفتار، چہرے پر عجیب معصومیت تھی، پہلی ہی ملاقات میں انسان آپ کی محبت میں گرفتار ہوجاتا تھا۔

۱۹۵۹ء میں ''جلال آباد'' پہلی بار حاضری ہوئی، ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور مجلس میں شرکت کرکے ملفوظاتِ عالیہ سننے کا بھی موقع ملا۔ حضرت کی باتیں بہت دل نشیں ہوتی تھیں، باربار ''ہمارے حضرت فرماتے تھے'' کا جملہ دہراتے تھے۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ فرماتے کہ ''بھائی! ہم تو حضرت تھانویؒ کی باتوں کے صرف ناقل ہیں''۔

''ڈابھیل'' کے زمانۂ قیام میں حضرتؒ سے ربط نہ رہ سکا؛ مگر ترکیسر ''فلاحِ دارین'' کی ذمے داری کے بعد کئی بار سفر ہوئے اور سہارن پور، دیوبند اور جلال آباد کا سفر ہوتا رہا۔ بہت ہی شفقت سے ملاقات سے مشرف فرماتے اور نصائحِ قیمہ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

فرماتے تھے کہ ہمارے مدرسوں میں مدرسین آج کل اصلاحِ قلب کی زیادہ فکر نہیں کررہے ہیں جس کے سبب سے مدرسوں میں خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، پھر تزکیہ کی اہمیت پر عالمانہ کلام فرماتے۔

ارشاد فرمایا کہ مدرسے میں ایک ہی مسلک کے مدرسین ہوں تو فساد کم ہوگا، متضاد خیالات ومسالک کے علما کا ساتھ رہنا مشکلات پیدا کرتا ہے۔

راقم الحروف کو چند بار تجربہ ہوا کہ دل میں بعض خیالات لے کر گئے، حضرتؒ نے مجلس میں ایسی گفتگو فرمائی کہ شبہات دور ہوگئے۔

نظام کی پابندی، کسی انسان کو رنج یا تکلیف پہنچے ایسے اعمال سے پرہیز کی بہت تاکید ہوتی؛ نیز غصہ کو بہت ہی مہلک عادت فرماتے۔ گجرات کے ایک سفر میں چند روز رفاقت کا شرف حاصل ہوا، نرمی سے کئی باتوں کی اصلاح فرماتے۔ ناچیز پر عنایت فرما کر کاپودرا بھی تشریف لائے، اور چھوٹی سی بستی دیکھ کر مسرت کے ساتھ فرمایا کہ آپ کی اس بستی میں تو ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ ''اس بستی کے کئی لوگ حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت تھے، اور حضرتؒ کے مواعظ کو برسوں تک سبقاً سبقاً یہاں پڑھا گیا ہے، نیز حضرتؒ کے مواعظ کو گجراتی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کرنے کا کام بھی اسی بستی کے ایک فاضل منشی محمود قاسم (۱) صاحب نے کیا ہے'' یہ سن کر بہت مسرور ہوئے۔

---

(۱) **منشی محمود قاسم صاحب پانڈورؒ**: مشہور صحافی، مجاہدِ آزادی، مدیر تبلیغ ترکیسر، علمائے دیوبند کے محبّ وعاشق، مُجاز حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ۔ ۱۸۹۷ء میں کاپودرا میں ولادت ہوئی، ابتدا میں انگریزی تعلیم حاصل کرکے سرکاری نوکری حاصل کی؛ مگر تحریک ترکِ مُوالات سے متاثر ہوکر اسے چلتا کیا، بعد میں جامعہ حسینیہ راندیر میں درجۂ مشکاۃ تک تعلیم حاصل فرمائی۔ پوری زندگی حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات گجراتی میں منتقل کرکے ملک وبیرونِ ملک پھیلا کر اصلاحِ امت کا زبردست کارنامہ انجام دیا۔ جمعیۃ علما کے پلیٹ فارم سے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ اور مولانا سید محمد میاںؒ کے ساتھ بھی اچھے مراسم تھے۔ تقریباً ۲۲یا۲۴؍سال تک فلاحِ دارین میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ علم اور اہلِ علم کے زبردست حامی تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

ایک بار کسی ضرورت سے خدمتِ والا میں عریضہ لکھا، اس میں یہ جملہ بھی لکھا کہ ''اللہ کے فضل سے بخیر و عافیت ہوں'' حاشیہ پر لکیر ڈال کر جواب میں تحریر فرمایا ''تعالیٰ'' اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت کی نظر کتنی باریک تھی، صرف اللہ لکھنے کو بھی پسند نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ لکھنے پر توجہ دلائی، کیسا ادب تھا اور کیسا تیقظ تھا ان بزرگوں میں!

ایک بار شیخ الحدیث صاحبؒ کی خانقاہ میں رمضان المبارک کے اخیری عشرہ میں حاضری ہوئی، عید الفطر سہارن پور میں ہوئی، عید کی نماز پڑھتے ہی ہم جلال آباد روانہ ہوگئے، خانقاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی حضرت عید گاہ سے واپس تشریف نہیں لائے ہیں۔ ہم لوگ صحن میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں حضرت والا جبہ زیبِ تن فرمائے ہوئے عید گاہ سے تشریف لائے۔ مصافحہ کے لیے ہم لوگ آگے بڑھے تو مسکرا کر فرمایا: ''آہا! آج تو ہماری دو عید ہوگئیں'' عید الفطر تو ہے اور پھر احباب کی ملاقات بھی عید سے کیا کم ہے۔ اللہ اللہ!! کیا شفقتیں تھیں ان نفوسِ قدسیہ کی، فوراً سِوَیّاں منگوائیں اور پھر خلافِ معمول مجلس شروع ہوگئی۔

دریافت فرمایا کہ بزرگوں سے مصافحہ کے وقت کیا نیت کرنی چاہیے؟ ہم لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ بھائی! اللہ والوں سے ملاقات کے وقت یہ نیت کرو کہ اے اللہ! آپ نے اپنی جو معرفت اور نسبت ان کو عطا فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرما، سبحان اللہ! کیسی تربیت مخلوق کو خالق سے جوڑنے کی۔

گجرات کے سفر میں ایک مقام پر بعض احباب نے پروگرام کے خلاف حضرت کو کئی جگہ روکا اور دوسرے پروگرام میں گڑ بڑ ہوگئی۔ اسی اثناء میں ہمارے ایک

رفیق حضرت کو اپنی بستی لے جانے پر اصرار کرنے لگے؛ حالاں کہ وہاں کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ بندے نے شدت سے انکار کیا اس پر کچھ تلخی ہوگئی، اور بندے نے غصہ میں ذرا بلند آواز سے بات کی تو حضرت نے فوراً قریب بلایا اور فرمایا کہ ''مولوی صاحب! غصہ نہیں کیا کرتے، غصہ بری چیز ہے'' شدتِ تاثر سے بندہ ناشتے کے لیے دستر خوان پر نہیں گیا، تو پھر بلایا اور قریب بٹھا کر فرمایا ''مولوی صاحب! ایک دو لقمہ کھالو، سفر میں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے''۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی طبیعت میں بڑی نزاکت تھی، ذرا سی بے اصولی کو بھی محسوس فرماتے تھے۔ ایک بار جلال آباد حاضری ہوئی، حضرت نے فرمایا: ظہر بعد میرے ساتھ کھانا تناول فرمالیں۔ ''مظفر نگر'' کے کوئی انگریزی تعلیم یافتہ صاحب بھی مہمان تھے، حضرت نے ان کو بھی یہی بات فرمائی ہوگی۔ ظہر کے بعد جب حضرت سنن سے فارغ ہوئے ہم فوراً حضرت کے ساتھ ہوئے، مسجد سے باہر درخت کے قریب حضرت نے نظر دوڑائی اور فرمایا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں؟ کسی نے عرض کیا مسجد میں نفل پڑھ رہے ہیں۔ حضرت آگے بڑھے، صدر دروازے پر پھر حضرت نے دیکھا؛ مگر ان کو نہیں پایا، پھر مکان کے باہر حضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا ابھی تک وہ صاحب مسجد میں ہیں؟ کسی نے عرض کیا جی ہاں! اس پر راقم الحروف کو مخاطب کر کے صرف اتنا فرمایا کہ مولوی صاحب! لوگ اِن کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ اتنے آدمیوں کو اب ان کا انتظار کرنا پڑے گا، ان کا وقت ضائع ہوگا، منتظمین کو تکلیف ہوئی، تو ایسا کام تعلیم یافتہ آدمی تو نہیں کر سکتا، تعلیم تو تہذیبِ نفس کا نام ہے۔

ایک سفر میں دریافت فرمایا کہ کیا نظام ہے؟ عرض کیا کہ شام تک قیام کا ارادہ ہے، شام کو دہلی جانے کا قصد ہے۔ فرمایا کہ نہیں! اگر گنجائش ہو تو رات قیام کر کے صبح کو دہلی کا سفر کریں یا اگر جلدی ہے تو ایک بجے والی بس سے سفر کر لیں، شام کو دہلی کا سفر مناسب نہیں، حالات نازک ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ظہر اول وقت میں کمرے میں ادا کر لیں، کھانا بھی فوراً کھلا دیا جائے گا، اور فلاں صاحب آپ کو بس اڈے تک پہنچا دیں گے؛ چناں چہ اسی پروگرام کے مطابق سفر ہوا، ٹھیک مغرب سے پہلے ''اجمیری گیٹ'' دہلی پہنچ گئے۔ مہمانوں کی سہولت کا کس قدر خیال فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے۔

اسی سفر میں فرمایا کہ حالات بہت نازک ہیں، اگر کوئی راستے میں برا بھلا بھی کہہ دے صبر کر لیں، آج کل تو معمولی معمولی باتوں میں فساد شروع ہوتا ہے، بس میں چڑھتے اترتے دھکا لگتا ہے اور فساد ہو جاتا ہے۔ ہم اس سفر سے واپس ہوئے اور تین روز کے بعد دہلی میں فساد ہوا، اور سبب یہ تھا کہ ایک مسلمان اپنی برقعہ پوش بیوی کے ساتھ سفر کر رہے تھے، بس میں کسی شریر نے چھیڑ چھاڑ کی، اس پر تُو تُو مَیں مَیں ہوئی اور پھر فساد بھڑک اٹھا، جب اخباروں میں یہ خبر پڑھی تو زبان سے نکلا ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ

(ولادت: ۱۳۱۲ھ-۱۸۹۵ء، بمقام فتح پور تال نرجا، ضلع اعظم گڑھ

وفات: ۲۲/شعبان ۱۳۸۷ھ- ۲۵/نومبر ۱۹۶۷ء)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلفا میں ممتاز مقام رکھتے تھے، اصلاح وتربیت کے طریقوں میں اپنے شیخ کے اصولوں کے پابند تھے۔ حدیث وتفسیر کی کتابوں پر گہری نظر تھی، بڑے بڑے علما آپ کے علم سے مستفید ہونے کے لیے الہ آباد کا سفر فرماتے تھے۔

''ڈابھیل'' کی تدریس کے زمانے میں حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ و دیگر اساتذہ سے بار بار آپ کے کمالاتِ علمیہ اور تربیتِ باطنیہ کے واقعات سنتا تھا؛ مگر کبھی زیارت کا موقع نہیں ملا تھا، مگر اتفاقاً انہی دنوں حضرت شاہ صاحب کا بمبئی کا سفر ہونے لگا، اور کبھی ایک ماہ اور کبھی زیادہ بمبئی میں قیام رہتا تھا۔ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ حضرت سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، آپ نے بمبئی کا سفر کرنے اور حضرتِ والا کی خدمت میں چند روز رہنے کے اپنے ارادے کا اظہار فرمایا تو ہم نے بھی رفاقت میں چلنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ کے اصول کے مطابق خط لکھ کر حاضری کی اجازت طلب کی گئی اور منظوری کے جواب کے بعد

حضرت مولانا ایوب صاحبؒ، مولانا ابراہیم پالن پوری صاحبؒ(۱) اور راقم الحروف بمبئی پہنچے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا قیام ''کرلا'' میں تھا، اس لیے سیدھے حضرت کی قیام گاہ پر پہنچے۔ شرفِ باریابی حاصل ہوا، خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد اپنے کمرے میں اٹھ آئے۔ تھوڑی دیر میں جامی صاحب کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب آپ حضرات کی آمد سے خوش ہوئے اور پیغام بھیجا ہے کہ تین روز آپ لوگ میرے مہمان رہیں گے۔

ظہر بعد مجلس میں دوبارہ حاضری ہوئی، مولانا محمد ایوب صاحب قریب ہی تشریف فرما تھے۔ شاہ صاحب خاص جذب کی کیفیت میں گفتگو فرماتے تھے اور مولانا کے سر پر ہاتھ مار کر پوچھتے جاتے تھے کہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ حاضرینِ مجلس ہمہ تن گوش ملفوظات سماعت فرما رہے تھے، جب تک مجلس جاری رہتی دل کی عجیب کیفیت رہتی تھی۔

(۱) **حضرت مولانا ابراہیم بن نور محمد پالن پوری صاحبؒ**: فاضل مظاہر علوم سہارن پور، مُجاز حضرت شیخ الحدیثؒ، سابق استاذ حدیث ''جامعہ ڈابھیل'' وسابق شیخ الحدیث ''جامعہ تعلیم الاسلام آنند''۔ صفر یا ربیع الاول ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں بمقام قصبہ ''کالیڑہ''، ضلع ''بناس کانٹھا'' ولادت ہوئی۔ مظاہر علوم سے ۱۳۶۳ھ میں علومِ دینیہ سے فراغت حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبداللطیف صاحب، مولانا منظور خان صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علما ہیں۔ آپ کے رفقائے درس میں حضرت باندویؒ، مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ اور مولانا محمد ثانی حسنیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت تھانویؒ سے بیعت کا تعلق تھا۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ سے سلوک کی منزل طے کی، اور بالآخر حضرت شیخ زکریاؒ کی طرف سے خلعتِ اجازت سے مشرف ہوئے۔ ''جامعہ ڈابھیل'' اور ''تعلیم الاسلام آنند'' میں تدریسی خدمات انجام دیں؛ تقریباً تیس سال تک مَسندِ درس بخاری پر فائز رہے۔ مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ، مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، مفتی احمد صاحب دیولوی، مولانا ایوب صاحب سورتی دامت برکاتہم جیسے نیک نام شاگرد چھوڑے۔ تحفۃ المسلمین، تحفۃ النکاح، سیرت سراپا رحمت جیسی آدھ درجن کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ۱۲؍صفر ۱۴۲۳ھ-۲۶؍اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعہ رحلت فرمائی۔

ہم مدرسین سے فرمایا کہ مدرسے میں پڑھانے والے اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے؛ حالاں کہ صحت بھی مطلوبِ شرعی ہے۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ آج کل طلبا کی استعداد بہت کمزور ہوگئی ہے، جس محنت سے پہلے اساتذہ کام کرتے تھے اس میں کمی آ چکی ہے، اس حال کی اصلاح ضروری ہے۔

تین روز کے بعد جب واپس ہوئے تو حضرت کی نصیحتوں اور ارشادات کا طبیعت پر کافی اثر تھا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ اس وقت حاضری کی نوبت آئی جب ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کی درس گاہ والی عمارت تیار ہوگئی، اور اس کے افتتاح کے لیے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو زحمتِ سفر دی گئی، گجرات کے سب ہی مدارس کے بڑے اساتذہ اور دیگر علما بھی مدعو تھے۔ راقم الحروف بمبئی حاضر ہوا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اس جلسے میں شرکت کرنے اور دعا سے نوازنے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا ''آپ کی دعوت سے خوشی ہوئی، میں اصولی طور پر دعوت قبول کرتا ہوں؛ مگر اس وقت حاضر نہیں ہوسکتا، کسی اور موقعے سے حاضری ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا ایک ہفتہ قیام کروں گا(۱)، اور سفر اپنے خرچ سے کروں گا''۔ مزید ارشاد فرمایا کہ جب کسی جلسے میں بہت

(۱) گرچہ حضرتؒ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی؛ مگر اللہ تعالیٰ بزرگوں کی باتوں کی لاج رکھ لیتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرتؒ کے مسترشد و خویش حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کی سب سے پہلی آمد یہیں ہوئی، اور الحمدللہ کئی سالوں سے حضرت کا پانچ چھ روز کا قیام بھی رہتا ہے۔ اسی طرح حضرت کے سلسلے کے دیگر بزرگانِ دین کی آمد بھی بکثرت ہوتی رہتی ہے۔ أبقی اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی ہذہ العلاقۃ الربانیۃ إلٰی أمد بعید. آمین!

سے علما جمع ہوتے ہیں تو عموماً سامعین تقابل میں لگ جاتے ہیں کہ کس عالم کی تقریر اچھی ہوئی، اور اس سے خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا، اور مقصود اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانا ہے، ویسے دعا ضرور کروں گا۔ جب واپسی کا مصافحہ کرنے حاضر ہوا، تو حضرت نے اپنا ہاتھ ناچیز کے ہاتھ سے رگڑا اور فرمایا جاؤ مولوی صاحب کام کرو، کام کرو، اللہ تعالیٰ کامیاب فرماوے! ناچیز کے پورے جسم میں جیسے بجلی کوندگئی اور ان دوتین کلمات نے بڑی ڈھارس بندھائی۔ افسوس! کہ اس کے بعد حضرتؒ کا حجاز کا سفر ہوا اور اسی سفر میں اپنے رب سے ملنے تشریف لے گئے۔ رحمه الله رحمة واسعة!

☆☆☆☆☆

دریا جو بہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت!
ہر قطرہ کہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت!
جو بار اٹھا سکے نہ، ارض وجبال وافلاک
انسان سہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت!

(نفیسؔ شاہ صاحبؒ)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

(ولادت: ۱۰/جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ-۲۱/جنوری ۱۹۰۷ء، بمقام گنگوہ
وفات: ۲،۳/ستمبر ۱۹۹۶ء-۱۹،۲۰/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، بمقام جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ برِ صغیر کے ممتاز عالمِ دین، فقیہِ وقت، مُناظرِ بے مثال اور گروہِ مصلحین کے فردِ فرید تھے۔ آپ علمی تبحر، غیر معمولی حافظہ اور وسیع مطالعہ کے ساتھ نہایت خوش طبع اور بذلہ سنج بھی تھے۔ آپ کا ادبی ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا، ہزاروں اردو، عربی اور فارسی اشعار، حکایات و فکاہات از بر تھیں۔ اتباعِ سنت اور صفائیِ معاملات میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے۔

راقم الحروف جب ''مجلسِ خدام الدین'' سملک ڈابھیل میں ۱۹۵۳ء کے اواخر میں ناظمِ تعلیم کی حیثیت سے مقرر ہوا، مولانا عبدالحق صاحب سملکی صدر ''مجلسِ خدام الدین'' کی زبانی حضرت مفتی محمود صاحب کے علم وفضل کا بار بار تذکرہ سنتا رہا، حضرت مفتی محمود صاحب اس زمانے میں کانپور میں مقیم تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب نے ایک بار یہ بھی ارادہ فرمایا کہ مجلس کی طرف سے ناچیز کو حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں دوسال کے لیے بھیج دیں؛ تاکہ افتا کی مشق کرسکوں اور پھر مجلس میں دارالافتا کا شعبہ کھولا جائے؛ مگر یہ بات آگے نہ بڑھ سکی، اور نہ حضرت مفتی محمود صاحب کی زیارت اور ملاقات کا اس وقت موقع ملا۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' میں تدریس و اہتمام کی مشغولیت کے زمانے میں ہر سال ''دارالعلوم دیوبند'' کا سفر ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت اکابرین کے مشورے سے ''دارالعلوم'' کے صدر مفتی کی حیثیت سے دیوبند تشریف لا چکے تھے، اور احاطۂ مسجد کے کمرے میں مقیم تھے؛ اس لیے ہر سفر میں حضرت مفتی صاحبؒ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوتا رہا، اور آپ کی علمی مجلسوں میں شرکت کرنے اور دینی مسائل میں رہنمائی حاصل کرنے کا موقع ملا۔

حضرت مفتی صاحب باوجود اپنے عظیم مرتبے کے جس اخلاق وتواضع سے ملتے تھے، اور خردوں کے ساتھ جس طرح نوازش فرماتے تھے اس کو دیکھ کر آپ کی عظمت کا نقش بڑھتا ہی گیا۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کے ہر سال گجرات کے دورے ہونے لگے، گجرات کے علما اور طلبا اور دیندار مسلمان آپ کی مجلس میں شرکت کرتے، ذکر کے حلقوں میں شامل ہوکر دل کو گرماتے، ناچیز کو بھی کئی بار شرفِ باریابی حاصل ہوا۔

حضرت مفتی صاحب ہندوستان کے مدارسِ عربیہ کے حالات سے بھی برابر واقفیت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈابھیل تشریف آوری ہوئی، بندہ حسبِ معمول خدمتِ والا میں حاضر ہوا، ملاقات کرتے ہی دریافت کیا: کیوں صاحب! آپ کے بارے میں کیا سن رہا ہوں؟ (بعض حالات سے مجبور ہوکر بندے نے اس وقت اہتمام سے مستعفی ہونے کا ارادہ کرلیا تھا اور انتظامیہ کو استعفا بھیج دیا تھا) بندے کی زبان سے نکلا کہ میرا ترکیسر سے الگ ہونا ایسا ہی ہے جیسے آپ کا کانپور چھوڑنا۔ فوراً فرمایا کہ میں تو اپنے شیخ کے حکم سے دیوبند آیا ہوں، کیا آپ کو بھی آپ کے کسی شیخ یا بڑے نے

حکم فرمایا ہے؟ بندہ لاجواب ہوگیا؛ مگر عرض کیا: حضرت! بعض حالات ہیں جو تخلیہ میں عرض کروں گا، فرمایا بہت بہتر۔

پھر اسی سفر میں ترکیسر کا پروگرام ہوا تو عِشا کے بعد قیام گاہ پر حاضر ہوکر جو پریشانیاں تھیں وہ تفصیلاً عرض کرنے لگا، حضرت مفتی صاحب بہت غور سے سَماعت فرماتے رہے اور جب بات ختم ہوگئی تو فرمایا کہ ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟ عرض کیا: نہیں یہی حالات ہیں جو عرض کرچکا ہوں۔

فرمایا: جی ہاں! انہی حالات میں کام کرنا ہے، ایسے حالات تو آتے ہی رہتے ہیں پھر فرمایا کہ والد صاحب ایک بستی میں کام کرتے تھے، ایک مخالف بندوق دکھلایا کرتا تھا کہ یہ تیرے لیے لایا ہوں؛ مگر والد صاحب نے ذرا بھی پروانہیں کی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام میں لگے رہے۔ پھر مفتی صاحب نے ایک سرد آہ کھینچی اور ارشاد فرمایا: مولوی صاحب! ہمارے اکابرین نے بڑی قربانیوں کے بعد ان اداروں کو بنایا ہے، کیا ہمارے حصے میں ان کا اجاڑنا لکھا ہے؟ حضرت رحمہ اللہ کی یہ بات سن کر میں آبدیدہ ہوگیا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''کچھ افراد ایسے پیدا کرلو جو اس کام کو نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، پھر الگ ہونے میں حرج نہیں؛ مگر ابھی نہیں''۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی اس دل سوز گفتگو نے میری رائے تبدیل کردی اور اس کے بعد کئی سال کام ہوتا رہا۔

اساتذہ کے بارے میں عرض کیا کہ حضرت! حدیث شریف کے قابل اساتذہ نہیں مل رہے، فرمایا: جی ہاں! اب ہم انور شاہؒ اور شبیر احمد عثمانیؒ کو تو قبر سے نہیں

لا سکتے، اب جو موجود ہیں انہی کو بنانا پڑے گا۔ اور فرمایا کہ ’’دوسرے اداروں میں جو اچھے مدرس کام کرتے ہیں اگر وہ مخلص ہیں تو اپنی جگہ چھوڑیں گے نہیں، اور جو چھوڑیں گے تو کوئی نہ کوئی بات ہوگی؛ اس لیے نوجوان باصلاحیت اساتذہ کو ہی تربیت دے کر آگے بڑھانا ہوگا‘‘، حضرت مفتی صاحبؒ کی اس رائے کی بعد میں بڑی قدر ہوئی۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ اساتذہ کی استعداد کا یہ حال ہے کہ ایک مدرس صاحب حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، میرا اُدھر گزر ہوا تو سنا کہ جناب إنَّ الإيْمَانَ ليارز إلى المدينةِ كما تارز الحية إلى جحرها کو ’’حُجُرها‘‘ پڑھ رہے تھے، میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ اللہ اللہ!! کیا دور آیا ہے کہ ان کو جُحر اور حجر میں فرق سمجھ میں نہیں آ رہا۔

جنوبی افریقہ کے ’’دار العلوم زکریا‘‘ میں بندہ چند ماہ کے لیے مقیم تھا، حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ افریقہ تشریف لائے تو مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب، مفتی رضاء الحق صاحب(۱)، مولانا معین الدین صاحب..........................

(۱) **مفتی رضاء الحق صاحب دام ظلہ:** فاضل وسابق استاذ جامعہ بنوری ٹاون کراچی، صدر مفتی وشیخ الحدیث دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ، مُجاز حضرت فقیہ الامتؒ، امیر جمعیۃ المفتین جنوبی افریقہ ورکن جمعیۃ المفتین پاکستان ورکنِ شوریٰ جمعیۃ علمائے افریقہ ومؤلف کتبِ عدیدہ۔ ۹/ستمبر ۱۹۵۰ء- ۲۶/ذوقعدہ ۱۳۶۹ھ میں اپنے گاؤں ’’شاہ منصور‘‘ میں ایک علمی و روحانی خانوادے میں آنکھیں کھولیں۔ اپنے والد اور چچا سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ’’جامعہ بنوری ٹاؤن‘‘ سے متعلق ہو کر تکمیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ بنوری، مولانا اسحاق سُندیلوی، مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی، مفتی فرید ضروبی، مولانا بادشاہ گُل صاحب جیسے فضلائے روزگار ہیں۔ آپ کے بہار آفریں قلم سے تقریباً ایک درجن کتابیں نکل کر خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں، جن میں ’’فتاویٰ دار العلوم زکریا‘‘ پانچ جلدوں پر مشتمل ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ بارک اللہ في علمه و في إفاداته. آمين!

مرادآبادی(۱) وغیرہم علما کے ہمراہ روزانہ عصر کے بعد مولانا ابراہیم پانڈور صاحب(۲) کے دولت کدے پر حاضری ہوتی رہی، از راہِ عنایت قریب بلا کر بٹھاتے۔ حاضرین میں سے کوئی صاحب سُوال کرتے اور مفتی صاحب جواب عنایت فرماتے، پیرانہ سالی اور مسلسل امراض کے باوجود حضرت محققانہ گفتگو فرماتے جو آپ کے علم کے استحضار اور زبردست قوتِ حافظہ کی دلیل ہے۔

افریقہ کے اسی سفر میں مولانا شبیر احمد سالوجی(۳) کی دعوت پر شام کے مشہور محقق عالم شیخ عبد الفتاح ابوغُدّہ جوہانسبرگ تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ

(۱) **حضرت مولانا معین الدین صاحب گونڈوی ثم مرادآبادی:** فاضل دار العلوم دیوبند، سابق امیر شریعت یوپی، سابق مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ امدادیہ مرادآباد وسابق شیخ الحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور۔ ۴/جنوری ۱۹۳۵ء- ۲۷/رمضان ۱۳۵۳ھ میں ولادت ہوئی۔ ۱۹۵۶ء میں فراغت حاصل کی۔ تقریباً چالیس سال تک ’’بخاری شریف‘‘ کی تدریس کی سعادت حاصل کی۔ آخر میں بغرضِ علاج گجرات تشریف آوری ہوئی تو ’’دار العلوم مرکز اسلامی‘‘ کی مسندِ مشیخت کو رونق بخشی۔ معین القاری، شرح مشکاۃ، شرح کتاب التوحید للبخاری جیسے بے مثال کارنامے چھوڑے ۸/شوال ۱۴۲۸ھ- ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو رحلت فرمائی، اور اب ’’مرکزِ اسلامی‘‘ کے احاطے میں آسودۂ خواب ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً!

(۲) **حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب زیدت معالیہ:** خادمِ خاص ومحبّ وعاشق وجانشین حضرت فقیہ الامتؒ ومُجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ۔

(۳) **مولانا شبیر احمد سالوجی زیدت معالیہ:** مہتمم دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ، مُجاز حضرت فقیہ الامتؒ، رکنِ شوریٰ دار العلوم آزادویل ودار العلوم نیوکاسل وجمعیۃ علمائے افریقہ، نائب صدر جمعیۃ علمائے ناٹال وفاضل بنوری ٹاؤن کراچی۔ ۲۶/مارچ ۱۹۵۱ء میں بمقام جنوبی افریقہ ولادت ہوئی، آپ کا آبائی وطن ڈابھیل صوبہ گجرات ہے۔ ابتدائی تعلیم جنوبی افریقہ میں حاصل فرمائی، پھر ڈابھیل تشریف لا کر حفظ اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔ بعدۂ ’’الجامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن‘‘ کراچی تشریف لے جا کر علامہ بنوریؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا ادریس صاحب اور مفتی رضاء الحق صاحب وغیرہ اکابر سے کسبِ فیض فرمایا۔ حضرت شیخؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا؛ مگر حضرت فقیہ الامتؒ سے اجازتِ بیعت حاصل ہوئی۔ نیز آپ کو مولانا خواجہ جان محمد صاحب (بقیہ صفحہ ۱۵۹/پر)

کی علالت اور ضعف کے سبب ہم سب نے چاہا کہ مفتی صاحب ہوائی اڈہ پر تشریف نہ لائیں؛ مگر مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ عالمِ اسلام کا ایسا بڑا عالم اور محقق آ رہا ہے اور میں استقبال نہ کروں ایسا نہیں ہوسکتا۔ باوجود کمزوری کے ہوائی اڈہ تشریف لائے اور ایک کرسی پر حضرت اقدس کو بٹھایا گیا۔ جب شیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ باہر تشریف لائے اور ان کو بتایا گیا کہ حضرت مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہیں تو بہت تیزی سے آگے بڑھے اور مصافحہ کرتے ہی آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر زار وقطار رونے لگے۔ عجیب منظر تھا، کیا اخلاص تھا ان علمائے کبار میں، کتنا احترام تھا علم اور اہلِ علم کا! سب حاضرین کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں، شیخ عبدالفتاحؒ بار بار فرماتے کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ بندہ بہت شرمندہ ہے وغیرہ۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی روزانہ مجلس میں تشریف لاتے اور علمی گفتگو ہوتی، ہم لوگ ان دونوں فضلا کی گفتگو سے محظوظ ہوتے۔

آخری ایام میں دیوبند کی ''چھتہ مسجد'' آپ کی قیام گاہ اور خانقاہ تھی، دو تین بار وہاں بھی حاضری کی توفیق ہوئی۔ آخری حاضری کے وقت کمرے میں حاضر ہوا، مولانا ابراہیم پانڈور صاحب نے فرمایا: عبداللہ کاپودروی آیا ہے۔ حضرت چارپائی

(بقیہ صفحہ ۱۵۸/کا)...... اور حضرت شاہ نفیس الحسینیؒ سے بھی اجازتِ حاصل ہے۔ مولانا کی مساعئ جمیلہ کی برکت سے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیفؒ، شیخ عبدالرحمٰن الحذیفی، شیخ محمد بن محمد عوامہ المدنی حفظہم اللہ اور دیگر مشائخ وائمۂ حرمین کی سرزمین افریقہ پر تشریف آوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حیاتِ طیبہ وطویلہ سے مشرف فرمائے، اور آپ کا فیض جاری وساری رہے۔ آمین!

سے بمشکل کھڑے ہوئے، بہت لجاجت سے عرض کیا: حضرت تشریف رکھیں؛ مگر حضرت کھڑے ہوئے اور عجیب کیفیت تھی کہ ہاتھ پکڑ کر اللہ اللہ فرماتے رہے۔ بدن کانپ رہا تھا، دل پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، تشریف فرما ہوئے اور بندے کی اور مدرسہ کی خیریت دریافت فرمائی، کھانا بھی ساتھ میں کھلایا۔ بس یہ حضرت کی آخری ملاقات تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!.

☆☆☆☆☆

صبح چلتے ہیں شام چلتے ہیں
عشق والے مُدام چلتے ہیں
ساتھ پھر ان کے چلتی ہے دنیا
جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

(پروین شاکر)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ

(ولادت: ۱۸؍شوال ۱۳۲۳ھ - ۱۸؍نومبر ۱۹۰۵ء، بمقام سنبھل
وفات: ۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ - ۵؍مئی ۱۹۹۷ء، شبِ یک ودوشنبہ)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حلقۂ دیوبند کے گلِ سرسبد اور مسلکِ دیوبند کے بہترین ترجمان تھے۔ انھوں نے زندگی کے آخری سانس تک ''اہلِ سنت و الجماعت'' کے مسلک کو جس طرح واضح کر کے پیش کیا، اور فرقِ باطلہ کی گمراہیوں کا جس طرح رد فرمایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کے قلم سے ایسا بیش بہا ذخیرہ تیار کروایا ہے جو آئندہ نسلوں کے لیے بھی عرصۂ دراز تک کارآمد اور نشانِ راہ رہے گا۔

راقم الحروف نے ۱۹۴۹ء میں پہلی بار حضرت والا کی دیوبند میں زیارت کی۔ مولاناؒ ''دارالعلوم دیوبند'' کی مجلسِ شوریٰ کے ممتاز اور فعال ارکان میں تھے، اور شوریٰ ہی کے کسی اجلاس میں شرکت کرنے تشریف لائے تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ اُسی زمانے میں ''الفرقان'' میں ابن تیمیہؒ کے بارے میں مولاناؒ کا کوئی مضمون شائع ہوا تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ کی مجلس میں اُسی مضمون کے بارے میں بحث چل رہی تھی، شیخ الاسلامؒ کو مضمون کے مُندَرِجات سے اختلاف تھا۔ حضرتؒ فرما رہے تھے کہ ''آپ نے علامہ ابن تیمیہ کو تو آسمان پر اٹھا دیا اور ابن عربی کو زمین میں دفن کر دیا''، مولانا

منظور نعمانیؒ ادب کے ساتھ اس کا دفاع فرما رہے تھے۔ صغرسنی کے سبب پوری بات تو سمجھ میں نہ آسکی؛ مگر اس مجلس کا نقشہ اب تک ذہن میں محفوظ ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ چمڑے کے تکیہ پر سہارا لگائے ہوئے وسط میں تھے اور اراکینِ شوریٰ حلقہ بنائے تشریف فرما تھے۔

اس کے بعد بارہا حضرت سے شرفِ باریابی حاصل ہوا، لکھنؤ، دیوبند، سہارن پور اور گجرات کے سفروں میں حضرتؒ کے مواعظِ طیبہ سے مستفید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب رقتِ قلبی عطا فرمائی تھی، تقریر میں روتے تھے اور رُلاتے تھے، آپ کا وعظ سادہ؛ مگر بہت مؤثر ہوتا تھا۔

لکھنؤ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوئے، مجلس میں اہلِ علم اور بعض تعلیم یافتہ حضرات بھی موجود تھے۔ ایک صاحب نے مولانا ....صاحب کے بارے میں فرمایا کہ وہ آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں فرما رہے تھے۔ مولاناؒ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ ''انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے تو نہیں سنا تھا، آپ کو اس کو سنانے کی کیا ضرورت پڑی؟ علما کی اس طرح غیبت کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟'' وہ صاحب شرمندہ ہو کر خاموش ہوگئے۔ حضرت کے اس بلند اخلاق کا مجھ پر بہت اثر ہوا؛ کیوں کہ اچھے اچھے اصحابِ علم وفضل اپنے مخالف کی کمزوریاں لطف لے کر سننے کے عادی ہوگئے ہیں، مولاناؒ کا یہ عمل واقعی اتباعِ سنت اور تقویٰ کے مطابق تھا۔

رفیقِ محترم مرحوم مولانا اسماعیل بیڑا صاحب موریشش سے تشریف لائے اور انہوں نے حضرت کا گجرات کے مختلف مقامات پر پروگرام بنایا، اس ناچیز کو بھی اس ہفتہ بھر کے پروگرام میں رفیقِ قافلہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دیوا، انکلیشور، پانولی، ترکیسر، راندیر، سورت اور ڈابھیل وغیرہ مقامات پر مولاناؒ کے مؤثر بیانات ہوئے، سفر میں مولاناؒ کے شب وروز کے معمولات دیکھنے کا موقع ملا۔

پچھلی شب میں اٹھ کر تہجد کے بعد جس آہ وزاری سے حضرتؒ دعا مانگتے تھے، اس کو دیکھ کر پتھر دل آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ کھانے پینے میں سادگی اور سفر کے مجاہدات دیکھ کر علمائے متقدمین یاد آجاتے تھے۔

ایک مرتبہ ''دار العلوم فلاحِ دارین'' کے تعلیمی کوائف معلوم کرنے اور ''دارالعلوم'' کی تعلیمی ترقی کے لیے آپ سے مشورہ کرنے کے لیے دعوت دی گئی تو حضرت تین روز کے لیے تشریف لائے، اور اردو سے لے کر دورہ تک ہر جماعت کے طلبا کو جانچا، اور مفید مشورے عنایت فرمائے۔

دورۂ حدیث کے طلبا سے فرمایا کہ ''مسلم شریف'' لے کر آیئے، کتاب کھولی اور فرمایا ''اس باب کو پڑھو اور علامہ نوویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بھی مطالعہ کرلو''، طلبا نے حدیث شریف پڑھی اور اس کا مطلب بیان کیا تو مسرت کا اظہار فرمایا، اور ان کے درس گاہ سے جانے کے بعد فرمایا: اگر یہ طلبا اسی طرح محنت کریں گے تو اچھے مدرس بننے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ اور فرمایا کہ ''اصل یہ دیکھنا تھا کہ طالبِ علم شرح دیکھ کر مطلب بیان کرسکتا ہے یا نہیں، زبانی امتحان تو حافظے کا امتحان ہوتا ہے، اگر طلبا کتاب سامنے رکھ کر ترجمہ اور مطلب بیان کرسکتے ہیں تو کافی ہے''۔

پھر اساتذہ کی مجلس میں فرمایا: طلبا ہمارے پاس قوم کی امانت ہیں، اگر ہم نے اس امانت میں خیانت کی اور ان کی تعلیم وتربیت کا خیال نہیں رکھا تو عند اللہ مسئول ہوں گے۔

اور ارشاد فرمایا کہ ''طالبِ علم کی غلطیوں اور شرارتوں پر فوراً اخراج نہیں کرنا چاہیے، اخراج تو سب سے آخری چیز ہے، طلبا کچھ نہ کچھ شرارتیں کرتے ہیں، ان کی اصلاح وتربیت کرنی چاہیے نہ کہ بات بات میں اخراج''۔

فرمایا کہ ''آپ نے مولانا مناظر احسن گیلانی کا وہ مضمون پڑھا ہوگا جو انہوں نے اپنی دیوبند کی طالبِ علمی کے بارے میں لکھا ہے، کیسی کیسی شرارتیں!! اگر ''دارالعلوم'' کے مہتمم صاحب ان کا اخراج کردیتے تو آج امت ان کے قیمتی افکار وخدمات سے محروم ہوجاتی''۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''چوں کہ آپ کے مدرسے کا عوامی چندہ نہیں ہوتا؛ اس لیے چندہ دہندگان کا دباؤ بھی نہیں پڑسکتا، لہٰذا جو طالبِ علم عربی کے ابتدائی درجات میں کمزور ہو اس کو قطعاً اگلا درجہ نہ دیں، اس عمل میں تھوڑی مخالفت برداشت کرلیں؛ مگر اس سے تعلیمی معیار بلند ہوگا''۔

حضرت مولاناؒ کی اس نصیحت پر برابر عمل ہوتا رہا اور الحمدللہ! اس کے بہت اچھے نتائج دیکھے۔

میرے ایک محسن اور کرم فرما نے حضرت مولاناؒ سے ناچیز کی موجودگی میں کچھ شکایتیں کیں، مولاناؒ سنتے رہے اور پھر فرمایا ''نہیں مولانا! یہ سب بہت چھوٹی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو بڑائی عطا فرمائی ہے، آپ کو ایسی چھوٹی باتوں

میں الجھنا نہیں چاہیے، اس وقت امت کو اخلاص ومحبت سے کام کرنے والے علما کی ضرورت ہے، اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کام کرتے رہیں'' حضرتؒ کے اس حکیمانہ جواب سے معاملہ ٹھنڈا ہوگیا۔

حضرت مولانا نعمانیؒ نے حدیثِ پاک کی جس آسان انداز میں ''معارف الحدیث'' میں تفہیم فرمائی ہے وہ علما کے لیے بھی بہت مفید ہے؛ خصوصاً نئے مدرس کو تفہیم کا طریقہ سیکھنے کے لیے اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، ہم نے حضرتؒ کی کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ **فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين أحسن الجزاء!**

حضرتؒ نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرمایا تھا کہ یونی ورسٹی میں پڑھنے والوں کے لیے چار سالہ کورس بنا کر پڑھانے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کو میں مناسب جگہ سمجھتا ہوں۔ ناچیز نے جواباً عرض کیا کہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق ان کالج یونی ورسٹی کے طلبا کا نظم کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ اس کے نصاب کے خاکے سے رہنمائی فرمائیں۔ اتفاقاً انہی دنوں میں مولاناؒ حادثہ کا شکار ہوئے اور صاحبِ فراش ہوگئے اور ایسا کوئی نصاب نہ بن سکا۔

لکھنؤ کی آخری حاضری پر عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو اندر بلایا، چائے سے تواضع فرمائی، عطر کی شیشی عنایت فرمائی، ہم دعاؤں کی درخواست کر کے باہر نکلے اور چند ماہ کے بعد علم وفضل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون!**

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ

(ولادت: ۱۱رشوال ۱۳۴۱ھ-۲۹راپریل ۱۹۲۳ء، بروز جمعہ، بمقام ہتھورا، ضلع باندہ
وفات: ۲۳رربیع الثانی ۱۴۱۸ھ-۲۸راگست ۱۹۹۷ء، بروز جمعرات)

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، مجاہدات وعبادات اور اخلاق ومعاملات میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ بزرگانِ سلف کے مجاہدات کے واقعات جو کتابوں میں پڑھے اور بزرگوں سے سنے تھے، اس کے نمونے آپ کی ذاتِ بابرکت میں نظر آئے۔ علم کی گہرائی کے ساتھ جو اخلاقی بلندی اور تواضع حضرتؒ میں دیکھی ایسی مثالیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔

راقم الحروف آپ کا ذکرِ خیر عرصے سے سنتا رہا، اور ایک دو بار حضرت شیخ الحدیثؒ کی خانقاہ میں زیارت بھی ہوئی؛ مگر ملاقات وگفتگو کا موقع نہیں مل سکا۔

عزیزم مولوی غلام محمد وستانوی فلاحی سلمہ نے جب ''جامعہ اشاعت العلوم'' اکل کوا، مہاراشٹر کی درس گاہوں کی عمارت کی تقریبِ سنگِ بنیاد منعقد کی، اور اس میں حضرت عارف باللہ قاری صدیق احمد صاحب رحمہ اللہ اور علمائے گجرات ومہاراشٹر کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، اُس مبارک ومسعود موقع پر ناچیز بھی اکل کوا حاضر ہوا اور حضرت والا سے ملاقات اور ملفوظات ونصائح سے استفادے کا تفصیلی موقع مُیَسَّر ہوا۔

اس کے بعد مُتعَدَّد بار گجرات کے سفروں میں کئی کئی روز ساتھ رہنے اور حضرت سے فیض حاصل کرنے کی سعادت ملی، بندہ حضرت کے مجاہدات اور سادگی دیکھ کر دنگ رہ جاتا۔ چند روزہ سفر میں اپنا حال تو یہ ہوتا کہ بدن کا جوڑ جوڑ درد کرنے لگتا؛ مگر حضرت پر کوئی اثر معلوم نہ ہوتا تھا، چوبیس گھنٹوں میں حضرت بڑی مشکل سے دو تین گھنٹے آرام فرماتے۔ ایک ایک روز میں پانچ پانچ گاؤں کے پروگرام، تقریریں، تعویذات، بیعت کا پروگرام، نجی ملاقاتیں وغیرہ کا مسلسل سلسلہ جاری رہتا۔

بے نفسی کا عجیب عالم تھا، اگر کسی بستی میں مشائخِ حقہ میں سے کسی شیخ کے کوئی مُجاز ہوتے تو وہاں لوگوں کو بیعت کرنے سے صاف انکار فرماتے، اور فرماتے کہ یہ حضرات موجود ہیں آپ لوگ ان کی قدر کیوں نہیں کرتے؟ آخر یہ حضرات کس مرض کی دوا ہیں؟

آج کے زمانے میں جب بہت سے لوگ اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے اور اپنے حلقۂ اثر کو پھیلانے کی فکر میں رہتے ہیں، حضرت کا یہ معاملہ یقیناً ان کے اخلاص اور للّٰہیت کا شاہد ہے۔

علما وطلبا کی ایک مجلس میں فرمایا کہ ”آج کل ہمارے نوجوانوں کا عجیب حال ہے کہ ایک مدرسے میں آٹھ نو سال پڑھتے ہیں اور فارغ ہو کر جب دیو بند، سہارن پور یا اور کسی درس گاہ میں ایک دو سال پڑھ لیتے ہیں تو پھر اپنے سابقہ مدرسہ اور اساتذہ کا نام بھی نہیں لیتے، یہ احسان فراموشی ہے“۔

حضرت کو دیکھا کہ کسی مدرسے میں ”بخاری شریف“ کے ختم کے لیے اُن کو بلایا جاتا تو فرماتے کہ ”ارے بھائی! جس استاذ نے پورے سال محنت کر کے پڑھایا اُسی استاذ سے ختم کرو؛ البتہ دعا میں بندہ بھی حاضر ہو جائے گا“، کس قدر بے نفسی اور تواضع تھی آپ کی!

فرمایا کرتے کہ ”فراغت کے بعد بھی استاذ کے مشورے سے تدریس شروع کرے، اگر بغیر مشورہ اور خود رائی سے اونچی کتاب بھی پڑھانے لگے تو اس میں وہ برکت نہیں ہوگی جو استاذ کے مشورے سے الف، با پڑھانے میں ہے“۔

سفر ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ دوسرے درجے میں کرتے دیکھا، ایک سفر میں عرض کیا کہ حضرت! آپ کے لیے درجۂ اولیٰ کا ٹکٹ لیتے ہیں؛ تاکہ رات کو آرام مل سکے۔ فرمایا قطعاً نہیں، پہلے درجے میں سفر کرنے سے گاڑی جلدی تھوڑی پہنچ جائے گی، اور فرمایا کہ میں تو تختہ پر لیٹنے کا عادی ہوں۔

سفر میں اپنے چھوٹے سے چھوٹے خادم اور گاڑی کے ڈرائیور کے کھانے اور راحت کا خیال فرماتے۔ فرماتے تھے کہ لوگ بے چارے ڈرائیور کو اکثر بھول جاتے ہیں؛ حالاں کہ اس کی راحت کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

جب بھی ہتھورا حاضری ہوئی ایسی مہمان نوازی اور خبر گیری فرمائی کہ شرم سے سر جھک جاتا، کہاں ہم اور کہاں یہ علم وعمل کا آفتاب!۔

ایک مرتبہ عزیزم مولوی یوسف جسات ترکیسری کے ہمراہ ہتھورا کا سفر کیا، تار کر دیا تھا؛ مگر بد قسمتی سے تار نہیں پہنچا اور ہم لوگ باندہ سے رِکشا کر کے عصر بعد

مدرسہ میں پہنچ گئے۔ سامان رکھا اور حضرت کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدرسے کے عقب میں کچھ کمرے تعمیر ہو رہے ہیں، حضرت وہاں نگرانی فرما رہے ہیں۔

ایک طالبِ علم کو لے کر خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ حضرت ریت کے ڈھیر پر تشریف فرما ہیں اور درجۂ حفظ کے طلبا قرآن مجید سنا رہے ہیں۔

ہمیں دیکھا تو فوراً کھڑے ہوگئے، معانقہ فرمایا اور تار کے نہ ملنے پر افسوس کا اظہار فرمانے لگے۔ فوراً ایک دو طالبِ علموں کو دوڑایا اور چائے کا انتظام کرنے کے لیے فرمایا۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ ''مزدوروں کی نگرانی کرنی تھی، اس لیے یہاں بیٹھ گیا؛ مگر وقت نہ ضائع ہو اس لیے ان طلبا کو بلا لیا؛ تاکہ ان کا دور سن لوں۔ اب کہاں سے لائیں گے ایسے لوگ؟ جو ایک ایک لمحہ علم کے لیے خرچ کرتے تھے''۔

اسی سفر میں ہم نے عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی بہت علیل ہیں اور ان کی زیارت و دیدار کا بہت اشتیاق ہے؛ اس لیے الہ آباد کے سفر کا ارادہ ہے۔ فرمایا بہت اچھا خیال ہے، اور میں آپ لوگوں کے ساتھ الہ آباد کا سفر کروں گا، چوں کہ رات کی گاڑی سے سفر کرنا تھا اور سیٹ بھی ریزرو نہیں تھا؛ اس لیے حضرت سے زحمت نہ کرنے کی درخواست کی؛ مگر حضرت نے اصرار کیا کہ نہیں مجھے بھی ملاقات کرنا ہے۔

علی الصباح الہ آباد پہنچے، سیدھے حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہ کے دولت کدے پر گئے، اور ہم لوگوں کو ایک علاحدہ کمرے میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لٹایا اور خود کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

مولانا محمد قمر الزماں صاحب کے صاحبزادے سے فرمایا کہ یہ گجراتی لوگ ہیں، ان کے لیے ابلے ہوئے انڈے منگوالیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد بہترین ناشتہ کروایا، اور نو بجے کے قریب حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی قیام گاہ پہنچے۔ معلوم ہوا کہ حضرت کے ڈاکٹروں نے ملاقاتوں سے لوگوں کو منع کر دیا ہے؛ مگر حضرت مولانا صدیق صاحبؒ کے لیے تو کسی کو مجالِ انکار تھا ہی نہیں، حضرت کے کمرے میں داخل ہوئے، اور شرفِ دیدار و ملاقات حاصل ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ دوسرے کمرے میں اٹھ آئے، مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کا مولانا قاری صدیق احمد صاحب کے نام پیغام آیا کہ میں آپ سے بہت خوش ہوں، حضرت یہ سن کر آب دیدہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت قاری صاحب کو دوبارہ اندر بلایا گیا جس سے بزرگوں کا قاری صاحب کے ساتھ قلبی لگاؤ کا پتہ چلا۔

حضرت رحمہ اللہ کی یہ محبت اور شفقت یاد آتی ہے تو دل تڑپ جاتا ہے، ان کی عظمتوں کا راز اُس وقت زیادہ کھلا جب وفات کے بعد حضرت کے قریبی خدام نے اپنے مشاہدات تحریر فرمائے جن کو پڑھ کر شاید ہی کوئی سنگ دل ہو جو اشکبار نہ ہو جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی کروڑوں رحمتیں اس مجاہد بندے پر نازل فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرماوے۔ آمین!

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ

(ولادت: ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ-۲۰/مارچ ۱۹۱۷ء، بروز چہارشنبہ
بمقام کاندھلہ، ضلع مظفر نگر
وفات: ۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ-۲/اپریل ۱۹۶۵ء، بروز جمعہ، بمقام لاہور)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ابن مولانا محمد الیاسؒ- جو''حضرت جی'' کے لقب سے مشہور ومعروف تھے- جید الاستعداد عالم، محدث اور عظیم داعی الی اللہ تھے۔ ان کی پُرسوز تقریروں نے ہزاروں انسانوں کے دلوں میں ایمان ویقین کی شمعیں روشن کردیں۔ دعاؤں میں یہ اثر تھا کہ لاکھوں کا مجمع بلک بلک کر اور ڈھاریں مار مار کر روتا تھا۔

راقم الحروف نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کو پہلی بار''دار العلوم دیوبند'' میں دیکھا جب حضرت اپنے چند رفقائے کار: حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور میوات کے پرانے کام کرنے والوں کے ہمراہ دیوبند تشریف لائے اور طلبا کو خطاب فرمایا، جس میں دعوت الی اللہ کی اہمیت اور حضراتِ صحابہؓ کی عظیم قربانیوں کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد کبھی کبھی''نظام الدین'' میں ملاقات وخطاب سننے کا موقع ملا، اور ہر ملاقات میں آپ کی عظمت کے نقوش گہرے ہوتے گئے۔

غالباً ۱۹۶۳ء میں حضرت کا گجرات کے علاقے کا سفر ہوا، تو چند روز رفاقت اور استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت مولانا اپنی تقریروں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا جو یقین پیدا فرماتے تھے اور جس قوی انداز میں دنیا اور دنیا کی حکومتوں کی بے ثباتی کا ذکر فرماتے تھے اس کو سن کر دلوں کی کیفیت بدل جاتی تھی۔

''کاوی''، ضلع بھروچ کے اجتماع میں حضرت رحمہ اللہ نے علما کے مجمع کو خطاب فرمایا، اور فرمایا تھا کہ''دوستو! یہ امریکہ اور روس کی حکومتیں جن کی بڑائی اور عظمت دنیا بھر کے انسانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے یہ حکومتیں خشک پتوں کی طرح بکھر جائیں گی''۔ حضرت یہ اس وقت فرما رہے تھے جب روسی اور امریکی حکومتوں کو دنیا سُپر پاور گردانتی تھی اور ان کی فوجی قوت اور سائنسی ترقی کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی تھی؛ مگر مولانا اس طرح فرما رہے تھے جیسے ان حکومتوں کا بکھرنا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

چند برسوں کے بعد جب روس کا سقوط ہوا، اور وہ کئی ٹکروں میں بٹ کر اپنا وقار و دبدبہ کھو بیٹھا تو حضرت جیؒ کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے،''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔

ہم لوگ 'ڈابھیل' میں تھے، حضرت جیؒ کی تشریف آوری ہوئی، دار الحدیث میں ایمان افروز بیان ہوا، اساتذہ کی بھی تشکیل ہوئی۔ شعبان کی تعطیلات میں جب ہم بھوپال کے اجتماع میں پہنچے اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کی خدمت میں حاضر

ہوئے، جب آپ کو اطلاع ہوئی کہ یہ چند علما اور طلبا چالیس روز کے ارادے سے آ گئے ہیں، تو اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور سب کو فرداً فرداً گلے لگایا۔ اور ماشاء اللہ اور سبحان اللہ فرماتے جاتے اور فرماتے تھے بھئی یہ کام تو آپ ہی لوگوں کے کرنے کا ہے، جب وقت ملے جتنا ملے دعوت کے کام میں جڑتے رہو۔ کام کا عشق اور دعوت سے جو شغف حضرت مولاناؒ کے دل میں تھا یہ اس کی ادنیٰ مثال تھی۔

افسوس! کہ بھوپال کے اس سفر کے بعد حضرت جیؒ لاہور تشریف لے گئے اور وہیں آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد فرمادی۔ **إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون!**

حضرت جی کا علمِ حدیث میں جو مقام تھا اس کا اندازہ تو ''**أماني الأحبار شرح معاني الآثار**'' کے مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے، راویوں پر کلام، غریب الحدیث کی تحقیق، تخریجِ احادیث اور نحوی ترکیب وغیرہ امور پر جس تحقیق اور دقتِ نظر سے کلام فرماتے ہیں وہ ان کی علمی جلالتِ شان بتلاتا ہے۔ ''حیاۃ الصحابہ'' کو جس انداز سے آپ نے مرتب فرمایا اور جو ابواب و عناوین قائم فرمائے وہ شاید اس سے قبل بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں، کاش کہ ''امانی الاحبار'' مکمل ہوجاتی! بہر حال جو کچھ لکھا گیا یہ بھی بعد والوں کے لیے قیمتی ذخیرہ ہی ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا مفتی
عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ثم دہلویؒ

(ولادت: ۱۳۱۹ھ-۱۹۰۱ء بمقام دیوبند
وفات: ۱۰ر شعبان ۱۴۰۴ھ-۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء)

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ دیوبند کے معروف علمی گھرانہ - جو عثمانی خاندان سے مشہور تھا- کے چشم و چراغ تھے۔ علمی اور ادبی ذوق ورثہ میں ملا تھا، ''دار العلوم دیوبند''، ''جامعہ ڈابھیل'' وغیرہ علمی اداروں میں تدریس اور افتا کے فرائض بھی ادا کیے۔ سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا اور ''ندوۃ المصنّفین'' نامی ادارہ قائم کر کے مختلف موضوعات پر بہترین علمی کتابوں کی بھی اشاعت فرمائی۔

ہم نے ''دار العلوم دیوبند'' کی طالبِ علمی کے زمانے سے ان کا نام سنا تھا اور گاہ بگاہ دور سے زیارت بھی ہوتی رہی؛ مگر ملاقات اور استفادے کی نوبت ترکیسر کے نظامت کے زمانے میں مُیَسّر ہوئی۔ سال میں ایک مرتبہ مولانا غلام محمد نور گت صاحب کی دعوت پر ترکیسر ضرور تشریف لاتے اور تین چار روز کا پروگرام رہتا۔ ترکیسر، جھرنا، سورت وغیرہ مقامات پر بیانات ہوتے اور عصر کے بعد علمی مجلس بھی رہتی تھی، آپ کی مجلس بہت پُر لطف ہوتی۔

راقم الحروف کا جب بھی دہلی کا سفر ہوتا، اردو بازار کا چکر تو ضرور ہوتا، اور حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری بھی لازماً ہوتی۔ بہت بشاشت اور خوش دلی سے ملتے، مدرسے کے احوال دریافت فرماتے اور مسرت کا اظہار فرماتے۔

حضرت مفتی صاحب کا دولت کدہ علما، شعرا اور سیاست دانوں کا مُلتقیٰ تھا، کبھی میر مشتاق احمد صاحب تو کبھی گلزار دہلوی صاحب اور کبھی مفتی ضیاء الحق صاحب اور مولانا اخلاق حسین صاحب تشریف لاتے، حضرت مفتی صاحب سب کے ساتھ نباہ فرماتے۔ فرماتے تھے کہ بھائی! یہ الگ الگ نظریات کے لوگوں کو جوڑ کر چلنا مشکل کام ہے؛ مگر مفتی صاحب اپنی مرنجاں مرنج طبیعت کے سبب سب کے نزدیک قابلِ اعتماد تھے۔

ایک مرتبہ ناچیز دہلی حاضر ہوا اور حسبِ معمول ملاقات کے لیے خدمت میں پہنچا، فرمایا کہ اچھے موقعہ سے آئے ہو۔ ''مہدیان'' میں مسلمانوں کا کوئی جلسہ ہو رہا تھا جس میں شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہؒ اور ڈاکٹر فریدی بھی تقریر کرنے والے تھے۔ فرمایا کہ جلسہ میں شرکت کرلو اور شیخ صاحب کی تقریر بھی سن لو۔ عرض کیا کہ حضرت! میرے پاس تو دعوت نامہ نہیں ہے، فرمایا کہ میرے پاس چند دعوت نامے موجود ہیں اور فوراً ایک پر نام لکھ کر عنایت فرما دیا۔ حضرت مفتی صاحب ہی کی توجہ اور عنایت سے اسٹیج کے قریب نشست ملی اور ڈاکٹر فریدی مرحوم، شیخ محمد عبد اللہ کشمیری و دیگر زعما کے بیانات سننے کا شرف حاصل ہوا۔

مفتی صاحب کو مسلمانوں کی زبوں حالی اور دینی و ملی کاموں میں غفلت کا بہت تلخ تجربہ تھا، بہت درد سے فرماتے تھے کہ اس قوم کا کیا حال ہوگا جو جلسے جلوس میں ہزاروں لاکھوں لٹاتی ہے؛ مگر تعمیری کاموں میں حصہ لینے میں سب سے پیچھے رہتے ہیں۔

''مجلسِ مُشاوَرَت'' کے تاریخی دورہ میں مفتی صاحب شریک رہے، قوم کا وقتی جوش وخروش دیکھ چکے تھے؛ مگر مستقل تعاون کے لیے بہت کم لوگ آمادہ تھے۔ فرمایا کہ ''دہلی میں مُشاوَرَت کے دفتر کا کرایہ ادا کرنا مشکل ہو رہا ہے، پورے ہندوستان کے مسلمان مل کر بھی مرکزی دفتر کا کرایہ ادا نہیں کر سکتے تو پھر ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟''۔

''ندوۃ المصنّفین'' خالص علمی ادارہ ہے، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں اس ادارے کو بھی بہت نقصان اٹھانا پڑا؛ مگر حضرت مفتی صاحب کے تدبر اور استقامت کے سبب ادارہ کام کرتا رہا۔

مفتی صاحب کا ادبی ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا، تقریروں میں بہترین اردو وفارسی کے اشعار پڑھتے تھے۔ ''دار العلوم فلاحِ دارین'' میں کئی مرتبہ تشریف لاکر مشرف فرمایا، اساتذہ وطلبا کی مجلسوں کو خطاب بھی فرمایا، اساتذہ آپ کی علمی گفتگو سے مستفید ہوئے۔

مرض الوفات میں بھی عیادت کے لیے حاضر ہوا، تو کرسی قریب رکھوا کر باوجود ضعف اور نقاہت کے گفتگو فرماتے رہے۔ بھائی محمد سلمہٗ کو اشارہ کر کے چائے لانے

کوفرمایا، بندے نے بہت معذرت کی؛ مگر مفتی صاحب اصرار فرماتے رہے۔ بزرگوں کے بلند اخلاق، ذرہ نوازی، خُرد نوازی کے ایسے نمونے اب بہت کم نظر آتے ہیں۔

ندوۃ العلما کے پچاسی سالہ جشن میں شرکت کر کے دہلی پہنچے، مولانا غلام محمد نورگت، مولوی یعقوب ندوی سریگت، حافظ داود مدیر مجاہد (گجراتی) رفقائے سفر تھے، مفتی صاحب نے سب کو مدعو فرمایا اور بہترین کھانا کھلا کر ممنون فرمایا۔

''دارالعلوم دیوبند'' کے قضیۂ نامرضیہ کے سبب مفتی صاحب کو کافی رنج رہتا تھا، ''جمعیۃ العلما'' میں بھی مولانا اسعد مدنیؒ سے اختلاف ہوگیا تھا، ناچیز کا تعلق حضرت مدنیؒ کے گھرانے سے زیادہ رہا اور دہلی میں قیام عموماً ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے دفتر میں رہتا تھا، مفتی صاحب اِن احوال سے واقف تھے؛ مگر کبھی کسی ملاقات میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں فرمائی اور تعلق میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا، یہ ان کی وسعتِ ظرفی کی دلیل ہے۔

راقم الحروف بھی اپنے اِن اکابرین کی ویسی ہی عزت واحترام کرتا رہا جیسا ان کا مقام وحق تھا۔ بڑوں کے اختلافات کے سبب چھوٹوں کو ان بزرگوں کے فیض سے محروم ہوجانا بندے کے نزدیک مناسب نہیں......ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور خدمات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات پر فائز فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا حافظ عمران خاں صاحب بھوپالی ندویؒ

(ولادت: ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۳ء(۱)، وفات: ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۶ء)

حضرت مولانا حافظ عمران خاں صاحب بھوپالیؒ ہندوستان کے مشہور علما میں تھے۔ ''ندوۃ العلما'' لکھنؤ اور ''الازہر'' قاہرہ کے علمی مراکز میں فاضل اساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا۔ بہت ذہین اور ذکی الحس عالم تھے۔ تقریباً پچیس سال ''ندوۃ العلما'' کے مہتمم بھی رہے، طلبا اور اساتذہ ان کے رعب سے لرزیدہ رہتے۔ بڑے حق گو اور نڈر خوش ذوق وخوش پوش تھے۔

ناچیز نے طالبِ علمی کے زمانے میں آپ کا نام بہت کم سنا؛ مگر رسمی فراغت کے بعد رسائل ومجلّات میں نام پڑھتے رہے، آپ کی پہلی مرتبہ کہاں زیارت ہوئی بالکل یاد نہیں ہے؛ البتہ ڈابھیل کے قیام کے زمانے میں مولانا مرحوم ایک جماعت کے ساتھ تبلیغی دورے پر گجرات تشریف لائے، تو شرفِ ملاقات اور آپ کی پُرسوز تقریریں سننے کا موقع ملا۔ آپ کا اندازِ بیان بہت دلچسپ اور نرالا تھا، دو گھنٹے کی تقریر میں بھی کسی پر اکتاہٹ کے آثار نہیں دیکھے۔

۱۹۶۴ء میں بھوپال کے تبلیغی اجتماع میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی،

(۱) حضرت مفکرِ اسلام رحمہ اللہ نے آپ کی ولادت کے بارے میں مذکورہ دونوں قول ذکر فرمائے ہیں۔ دیکھئے ''پرانے چراغ: ۳/۲۶۰''

بمبئی سے بھوپال تک حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، حاجی علاء الدین صاحب، یوسف بھائی بمبئی والے وغیرہ تبلیغ کے پرانے کارکنوں کے ہمراہ سفر ہوا۔ بھوپال اسٹیشن پر مولانا عمران خاںؒ اپنے خدام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور کئی موٹر کاریں اور جیپ گاڑیوں کا قافلہ مہمانوں کو لے کر ''مسجدِ عبدالشکور خان'' پہنچا۔

ابھی مسجد کے قریب کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ مولانا محمد عمران خاں صاحبؒ ناچیز سے مُخاطِب ہوکر دریافت فرمانے لگے: کیوں مولوی صاحب! آپ کے مدرسے میں خیریت ہے؟ اور ہاں ان علمائے ربانیین کو وہ حدیث شریف بھی مل گئی جو میں نے تقریر میں بیان کی تھی؟ مولانا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور بندہ غرقِ ندامت۔ اس سُوال کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا عمران خان صاحب نے ''جامعہ ڈابھیل'' میں تقریر کرتے ہوئے اُس مشہور حدیث کا ذکر فرمایا جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، اور جس میں ایک ایسے قاتل کا ذکر ہے جس نے ننانوے قتل کرنے کے بعد راہب سے توبہ کی قبولیت کے بارے میں سُوال کیا تھا، اور اس کے انکار کرنے پر اس نے راہب کو قتل کر کے سو قتل پورے کر دیئے(۱)۔ مولانا نے پوری تفصیل سے واقعہ بیان فرما کر اصلاحِ حال کے لیے فاسد ماحول کو بدلنے کی ضرورت بیان فرمائی تھی، جب تقریر ختم ہوگئی تو ایک نوجوان مولوی صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ آپ نے جو حدیث بیان کی وہ کہاں ہے؟ مولانا نے اپنے مخصوص

(۱) بخاری، کتاب احادیث الانبیاء الرقم: ۳۴۷۰

انداز میں فرمایا کہ بھائی میں کوئی بڑا محدث نہیں ہوں، اس لیے مجھے احادیث کی گہری واقفیت نہیں؟ مگر ہوسکتا ہے آپ کو ''ریاض الصالحین'' میں یہ روایت مل جائے۔

بھوپال کی حاضری پر مولانا کا یہ طنزیہ سُوال اسی واقعے کی بنا پر تھا، اس سفر میں تقریباً چھ روز بھوپال قیام رہا۔ مولانا کی انتظامی صلاحیت، گفتگو کا انداز اور آپ کا عام وخواص میں وقار واحترام، بزرگوں سے آپ کا تعلق ومحبت وغیرہ بہت سی باتیں نظر کے سامنے آئیں تو طبیعت آپ سے مانوس ہوگئی۔

اس کے بعد کئی بار شرفِ ملاقات حاصل ہوا، ایک سال ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے جلسۂ دستار بندی کی صدارت کے لیے حضرت کو دعوت پیش کرنے کی سعادت ملی، از راہِ عنایت دعوت منظور فرمائی اور مقررہ تاریخ پر ترکیسر تشریف لائے۔ رات آرام فرمایا، صبح ناشتے کے وقت خدمت والا میں حاضری ہوئی اور برسبیلِ تذکرہ عرض کیا کہ ''حضرت! یہاں کے جلسے میں آپ کی پہلی بار کی تشریف آوری ہے، اور حضرت کا نام سن کر بہت دور دور سے لوگ رات سے آ گئے ہیں، اور اب بھی آمد کا سلسلہ جاری ہے'' یہ سنتے ہی فوراً فرمایا: کیا مطلب؟ اور پھر فوراً فرمانے لگے آپ کا مطلب یہ ہے کہ عمران خان دو گھنٹے تک چیختا رہے، نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ بندے نے عرض کیا: حضرت! بندے کا یہ مقصد نہیں تھا۔ فرمایا ہاں، ہاں! میں مولویوں کے طور طریقے خوب جانتا ہوں؛ مگر میاں یہ جمّن دوسرے ہیں، اور پھر مسکرانے لگے، مگر پھر جلسے میں تقریر ہوئی اور خوب مؤثر اور دلچسپ تقریر فرمائی۔

شام کومولانا کوالوَداع کہنے راقم الحروف سورت تک ساتھ گیا۔رات کا قیام شیخ محمود صاحب (حافظ بردھرز والے) کے دولت کدے پر تھا،سورت کے اہلِ علم، تجار اور تبلیغی احباب دعوت میں شریک تھے۔عِشا کے بعد جب لوگ واپس ہوگئے، مولانا بنگلہ کے چمن میں باہر تشریف لے گئے، دریائے تاپتی کے کنارے پر شیخ صاحب کا بنگلہ ’ساحل‘ واقع ہے،رات کو بڑا اچھا سہانا منظر ہوتا ہے،مولانا کی طبیعت منشرح تھی۔قریب بلایا اور کچھ تجربے کی باتیں ارشاد فرمانے لگے،فرمانے لگے کہ ’’میں نے تقریباً پچیس سال ’’ندوہ‘‘ کا اہتمام کیا ہے، اور اب بھوپال ’’تاج المساجد‘‘ کے دارالعلوم کا ذمہ دار ہوں؛ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ انتظامی معاملات میں تساہل بالکل نہ کرنا،اساتذہ یا اور کارکنوں سے مدرسے کے تعلق سے جو بات بھی کرنی ہو تحریری کرتے رہو، اور ان کا چھوٹا سا پُرزا بھی فائل میں رکھو۔ جب تک اساتذہ کے ساتھ تعلقات اچھے رہتے ہیں تو مُعاملہ آسان ہوتا ہے؛ مگر جب کسی وجہ سے ناراضگی ہوجاتی ہے تو ایسی ایسی شکایتیں اور ظلم وزیادتی کی کہانیاں شروع ہوں گی جس کا تمھیں گمان بھی نہ ہوگا؛ اس لیے ہر بات تحریری ہوگی تو ضرورت کے وقت کام آئے گی‘‘۔اور فرمایا کہ ’’طلبہ کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت پر کڑی نظر رکھنا ضروری ہے، قوم تو ہمارے اعتماد پر اپنے جگر گوشوں کو تعلیم وتربیت کے لیے مدرسوں میں چھوڑ جاتی ہے،اگر اس میں کوتاہی ہوگی تو عنداللہ جواب دہی کرنی پڑے گی‘‘ وغیرہ۔

حضرت مولاناؒ کی ان ہدایات وارشادات سے ناچیز نے فائدہ اٹھایا اور واقعی بعد میں یہ چیزیں بہت کارآمد ثابت ہوئیں۔ **فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء!**

حضرت مولاناؒ نے ’’تاج المساجد‘‘ کی تعمیر کی تکمیل کے لیے بھی غیر معمولی محنت فرمائی اور ملک وبیرونِ ملک اسفار فرمائے۔’’تاج المساجد کی کہانی عمران خان کی زبانی‘‘ سن کر لوگ آبدیدہ ہوجاتے تھے،جو کام نواب اور رؤسا کے کرنے کا تھا وہ مولانا نے اپنے عزمِ قوی اور جہدِ مسلسل سے کر کے بتایا،جس میں بعد میں آنے والوں کے لیے بڑا سبق ہے۔

حضرت مولانا عمران خانؒ ہی کی ترغیب سے بھوپال میں حضرت شاہ یعقوب مجددیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے،اور ملفوظات سے مستفید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا محمد عمر صاحب اور ان کے رفقا کی دعوت بھی کی تو اِس حقیر کو بھی آپ کے دسترخوان کی پُرنور نعمتوں میں حصہ ملا۔حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہٗ نے مرتب فرمائے ہیں وہ قابلِ مطالعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کواُن کے احسانات کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔آمین!

☆☆☆☆☆

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ (مدیرِ 'برہان' دہلی)

(ولادت: ۱۳۲۵ھ-۱۹۰۷ء بمقام آگرہ)

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ ''دارالعلوم دیوبند'' کے ممتاز فاضل، ہندوستان کے بہترین خطیب، محقق اور مصنف تھے۔ علومِ شرعیہ کے ساتھ علومِ عصریہ میں بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ مدارسِ عربیہ دینیہ کی تدریس بھی کی اور ''علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی'' کے شعبۂ دینیات میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ ہندوستان کا مشہور علمی رسالہ ''برہان'' دہلی کی ادارت کی اہم ذمہ داری بھی برسوں نبھاتے رہے۔

راقم الحروف نے مولانا کو سب سے پہلے ''دارالعلوم دیوبند'' میں دیکھا، اس کے بعد دہلی میں ایک دوبار دفترِ ''برہان'' میں - جو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کا دولت کدہ اور ''ندوۃ المصنّفین'' کا مرکز بھی تھا - ملاقات ہوئی۔ پھر عرصے کے بعد جب راقم الحروف نے مدارسِ عربیہ کے نصاب اور بعض دیگر مسائل پر غور وفکر کرنے ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' میں گجرات کے تمام دارالعلوم کے ذمے داروں کو دعوت نامے ارسال کئے، اس موقع پر حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ مولاناؒ تشریف لائے اور دوروز ''فلاحِ دارین'' میں قیام فرما کر قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اساتذہ، مہمانانِ کرام اور طلبا کی ایک مجلس میں خطاب بھی فرمایا۔ ترکیسر کے اس اجلاس سے واپسی پر 'برہان' کے اگلے شمارے کے شذرات میں اپنے تاثرات بھی تحریر فرمائے۔ ناچیز رسالہ ''برہان'' پابندی سے پڑھتا تھا، مولاناؒ نے غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مقالہ قسط وار شائع کرنا شروع فرمایا تھا، اس کی تین چار قسطوں کے مطالعے کے بعد بندے کو بعض باتوں میں اشکال ہوا تو سیرت وتاریخ کی قدیم وجدید کتب میں غزوات کا باب مطالعہ کر کے حضرت مولاناؒ کو ایک طویل خط ارسال کیا۔

مولانا اکبرآبادیؒ نے اس کا مفصل جواب لکھا جس میں بعض باتوں کے بارے میں لکھا کہ میری تحقیق یہی ہے جو میں نے مقالے میں ذکر کیا، اور بعض باتوں کے بارے میں فرمایا کہ جب مضمون مکمل ہو کر کتابی شکل میں آئے گا تو اس پر نظرِ ثانی کروں گا۔ حضرت مولاناؒ کے اس مکتوب سے ان کی وسعتِ ظرفی اور خردوں کی باتوں پر بھی پوری توجہ کرنے کا حال معلوم ہوا، ورنہ موجودہ دور میں مصنّفین بہر صورت اپنی بات کی تاویل کرنے کے عادی ہیں۔

اس خط وکتابت کے بعد بمبئی میں کسی اجلاس کے موقعہ پر ملاقات ہوئی، بہت گرم جوشی سے مصافحہ فرمایا، ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' اور اسی مقالے کے سلسلے میں گفتگو فرماتے رہے؛ نیز حکومتِ ہند نے مدارسِ عربیہ کے نصاب میں ترمیم کے لیے ہندوستان کے کچھ ممتاز اہلِ علم کی کمیٹی بنائی تھی، جس میں دیوبند، ندوہ، سنی، شیعہ سب ہی مکاتبِ فکر کے علما کو شریک کیا گیا تھا۔ اُس کمیٹی نے اپنی سفارشات مرتب کر

کے رسالے کی شکل میں شائع کی تھی جس میں مدارسِ عربیہ میں مَبادیاتِ اقتصادیات، انگریزی، فلسفۂ جدیدہ وغیرہ پڑھانے کی بھی سفارش تھی، چوں کہ مولانا اکبرآبادیؒ اُس کمیٹی کے اہم رکن تھے؛ اس لیے اس سلسلے میں اُن سے گفتگو کی گئی، اور جدید علوم کے اساتذہ کی کمیابی؛ نیز بعض دقیق مضامین کا عربی درجۂ سوم، چہارم میں پڑھانے کی مشکلات پر تفصیلی بات ہوئی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ واقعی ان سفارشات کے عمل میں دشواریاں ہیں اور اس پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے؛ مگر افسوس کہ پھر اس پر کوئی کام نہ ہوسکا۔

''دارالعلوم دیوبند'' میں ''شیخ الہند اکیڈمی'' قائم کرنے کی تجویز پاس ہوئی تو ناچیز کو خوشی ہوئی، اور حضرت مولانا اکبرآبادیؒ کو عریضہ ارسال کیا کہ بہتر ہے آں محترم دیوبند میں قیام فرما کر ''دارالعلوم'' کے طلبا کی ایک جماعت کو تحقیقی کام کرنے کے لیے تیار فرماویں، مولانا کو ''علی گڈھ یونی ورسٹی'' میں صدر شعبۂ دینیات (سنی) کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا تھا؛ اس لیے جدید تحقیقی اسالیب سے بھی واقف تھے، اور امید تھی کہ حضرت مولانا کے مشوروں سے ''دارالعلوم دیوبند'' کے ذہین طلبا کو فائدہ ہوگا؛ مگر یہ کام بھی مکمل نہ ہوسکا۔

مجھے حضرت مولانا اکبرآبادیؒ کی ایک تاریخی تقریر بھی یاد آرہی ہے جو انہوں نے ''ندوۃ العلما لکھنؤ'' کے پچاسی سالہ جشن کے موقع پر کی تھی، ''مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ'' کے اس وقت کے وائس چانسلر جناب خسرو صاحب بھی اس تاریخی اجلاس میں شریک تھے، اور انہوں نے مدارسِ عربیہ میں علومِ جدیدہ اور صنعت وحرفت کے شعبے کھولنے

کے سلسلے میں پُر زور تقریر فرمائی تھی۔ دوسرے روز کے اجلاس میں مولانا اکبرآبادیؒ نے مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد اور اس کے نصاب میں ایسی تبدیلی- کہ جس سے اس کے مقصدِ قیام کو نقصان پہنچے- کی مخالفت کی، اس تقریر کا بہت چرچا ہوا، اردو اخباروں نے جلی سرخیوں کے ساتھ اس کو چھاپا۔

مولانا اکبرآبادیؒ نے کئی قیمتی کتابیں لکھیں جو پاک وہند میں مقبول ہوئیں، بندے نے بھی آپ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت مولانا اکبرآبادیؒ کی وفات سے ''ندوۃ المصنّفین'' اور رسالہ ''برہان'' کو بہت دھکا لگا، ''برہان'' میں مولانا کے شذرات اور آپ کے وقیع علمی مضامین کا انتظار رہتا تھا، آپ کی وفات کے بعد رسالے کی وہ آب وتاب باقی نہ رہی۔

☆☆☆☆☆

نہ لالچ دے سکیں تجھے سکّوں کی جھنکاریں
تیرے دستِ توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

(ولادت: ۱۳۲۷ھ-۱۹۰۹ء بمقام دیوریہ، ضلع فیض آباد
وفات: ۱۰رمحرم ۱۴۲۰ھ-۲۷راپریل ۱۹۹۹ء، بروز سہ شنبہ)

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ ہندوستان کے مشاہیر علما اور مشائخِ حقہ میں شمار ہوتے ہیں، اُن کی دینی خدمات اور اصلاحِ باطن کے لیے بیعت و ارشاد سے سیکڑوں مسلمانوں اور تشنگانِ علومِ نُبُوَّت نے فائدہ اٹھایا ہے۔

راقم الحروف نے سب سے پہلے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خانقاہ میں آپ کو دیکھا اور مختصر تعارف ہوا۔ اس کے بعد حضرت کا سورت کا سفر ہوا تو بھائی عبدالحفیظ صاحب منیار کے ساتھ ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کو بھی شرفِ قدوم سے نوازا، اساتذہ اور طلبا کے مشترکہ جلسے میں خطاب بھی فرمایا۔ سادہ اور دل نشیں اسلوب میں آپ کا وعظ ہوا تو دل بہت متاثر ہوا، اس کے بعد مُتعدِّد بار بمبئی، سورت، سہارن پور میں زیارت وملاقات کا موقع ملتا رہا۔ جب بھی ملاقات ہوتی شفقت ومحبت سے ملتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

واپی (گجرات) میں تبلیغی اجتماع تھا، حضرت والا بھی تشریف لائے تھے، خدمت میں حاضر ہوئے تو حسبِ معمول محبت سے ملے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدقسمتی سے

''مظاہر علوم سہارن پور'' میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور دونوں فریق پمفلٹ اور پوسٹروں کی مہم چلا رہے تھے، اور اس پوسٹر بازی سے باطل قوتیں فائدہ اٹھا رہی تھیں۔

چوں کہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ''مظاہر علوم'' کے ارکانِ شوریٰ میں تھے؛ اس لیے بندے نے عرض کیا کہ حضرت! کم از کم اس سلسلے کو بند ہونا چاہیے، ہم کل تک جن کو ''مظاہر علوم'' کے متقی اور پرہیز گار مفتی اور ناظم کی حیثیت سے مُتعارَف کرا رہے تھے، اگر آج اُن کے بارے میں بالکل اِس کے خلاف لکھیں گے تو یہ دونوں فریق کے لیے مناسب نہیں ہوگا۔ حضرت نے افسوس کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ یہ چیزیں ہماری رائے کے بھی خلاف ہیں، اور ہماری یہ کوشش ہے کہ ساتھ بیٹھ کر افہام وتفہیم کے ذریعہ مسئلے کو حل کرلیا جائے۔

حضرت نے پہلے جونپور میں دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی، پھر گورینی میں منتقل ہوگئے، اور عظیم الشان دینی درس گاہ بنائی، جہاں صدہا طلبہ علومِ شرعیہ کی تعلیم کے لیے آنے لگے، اور رمضان المبارک میں دور دور سے علما وطلبا اصلاحِ باطن کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

بندے نے ۱۹۹۶ء میں ہتھورا، الہ آباد، جونپور کا سفر کیا تو گورینی بھی حاضری دی، مدرسے کی عمارتیں اور نظم ونسق دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی(۱)۔ حضرت والا

(۱) اس سفر کی مفصل روداد حضرت والا کے سفرنامے میں پیش کی جاچکی ہے جو ''چند روز علم وعرفان کے مراکز میں'' کے عنوان سے ''افکارِ پریشاں'' جلد اول میں شاملِ اشاعت ہوچکا ہے۔

پر فالج کا اثر ہو گیا تھا؛ مگر دو آدمیوں کے ساتھ مسجد میں تشریف لاتے دیکھا تو آپ کی استقامت کا اندازہ ہوا۔

مجلس میں شرکت کی تو مغرب تک اصلاحِ قلب کے سلسلے میں گفتگو جاری رہی۔ مغرب کے بعد کھانا بھی حضرت نے اپنے ساتھ کھلایا اور مہمان خانے میں آرام کرنے؛ نیز صبح کی نماز سے پہلے سفر کے لیے انتظامات کی ہدایات فرمائیں، ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے کچھ اساتذہ اور طلبا رمضان المبارک میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے رہتے ہیں، اِس سے حضرت بہت خوش تھے۔ مدرسہ، طلبا اور اساتذہ کی خیریت معلوم فرماتے رہے، عِشا کے بعد دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

اعلیٰ علمی استعداد اور تقویٰ وطہارت کے اِس بلند مقام پر ہوتے ہوئے بھی طبیعت میں نہایت سادگی دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مدرسے کے اساتذہ اور طلبا میں بھی خوش اخلاقی اور تواضع کے آثار نظر آئے جو حضرت والا کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا۔

☆☆☆☆☆

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہے پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی اقرأ سے ہوا تھا

حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ

(ولادت: ٦ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۰۹ء، بمقام راندیر
وفات: ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۹٦ھ – ٦ نومبر ۱۹۷٦ء، بروز شنبہ، بمقام راندیر)

حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ گجرات کے جید الاستعداد علما میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بلند انتظامی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ تقریباً ۲۲/ سال تک ''جامعہ حسینیہ راندیر'' کے اہتمام کی اہم ذمے داری نبھائی۔ پُر وقار اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

مولاناؒ کے والدِ مکرم مولانا ابراہیم راندیریؒ(۱) بھی بڑے عالم اور حضرت

(۱) **مولانا ابراہیم صاحب راندیریؒ:** فاضل مدرسہ امینیہ دہلی و دارالعلوم دیوبند، سابق امام وخطیب سورتی جامع مسجد برما، بانی مدرسہ تعلیم الدین برما، سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔ آپ کی ولادت تخمیناً ۱۳۰۱ھ میں ہے۔ مدرسہ امینیہ دہلی و دارالعلوم دیوبند سے اکتساب فیض کیا، آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ضیاء الحق صاحب، حضرت شیخ الہند، علامہ کشمیری رحمہم اللہ وغیرہ مشائخ ہیں۔ حضرت شیخ الہند و مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے خصوصی جاں نثاروں میں تھے۔ تحریکِ ریشمی رومال میں خصوصی مالی تعاون فرمایا۔ مؤتمر عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں علی برادران و حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی معیت میں شرکت فرمائی۔ آپ ہی کی تحریک پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ''تعلیم الاسلام'' تالیف فرمائی، جس کے فیض سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشن ہو رہا ہے۔ آپ ہی کے نیک مشورے اور مساعی کی برکت سے حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، مولانا عبداللطیف صاحب پُرقاضویؒ، علامہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابرین کی سرزمینِ ''برما'' پر تشریف آوری ہوئی، اِن حضرات کے اسفار کی برکت سے ہندوستان کے مدارس کو جو تقویت پہنچی وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ افسوس! کہ راندیر کا یہ عظیم سپوت ۲/ شعبان ۱۳۷۳ھ – ٦/ اپریل ۱۹۵۴ء، بروز سہ شنبہ سوئے آخرت چل بسا اور اب ''راندیر'' کے ''گورِ غریباں'' میں آسودۂ خواب ہے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تحریک کے معاونین میں تھے۔ مولانا ابراہیم راندیریؒ رنگون (برما) میں بھی مقیم رہے ہیں، اُس زمانے میں ناچیز کے والدِ مرحوم بھی برما میں تجارت کرتے تھے اور مولاناؒ سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ اس تعلق کا بہت خَیال فرما کر والد صاحب سے محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ والد صاحب راندیر مولانا محمد سعید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کاپودرا میں کسی جلسے میں وعظ کی دعوت پیش کی، تو فرمایا کہ پٹیل صاحب! اس کام کے لیے آپ کو سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک کارڈ ارسال کردیتے تب بھی حاضر ہوجاتا۔ اور پھر تاریخِ مقررہ پر تشریف لائے اور جلسے میں پُر اثر خطاب فرمایا، بندے نے پہلی مرتبہ اس سفر میں حضرت کو دیکھا۔

اس کے بعد ڈابھیل کی طالبِ علمی کے زمانے میں جب راندیر حاضری ہوتی ملاقات سے مشرف ہوتا۔ ''مجلسِ خدام الدین'' کی میٹنگوں میں اور سالانہ جلسوں میں بھی ملاقات اور آپ کی قیمتی آرا سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ مجلس میں بہت خاموشی سے باتیں سَماعت فرماتے اور جب کوئی اہم بات ہوتی بہت جچی تُلی رائے صاف الفاظ میں پیش فرماتے۔

دیہاتوں میں وعظ بہت سادہ اور گجرات کے شہروں میں اردو کا جولب ولہجہ اور بولنے کا انداز ہے اُسی طرح تقریر ہوتی؛ تاکہ عام آدمی بھی دین کی بات سمجھ سکے؛ مگر علما کی مجلس میں جب بھی خطاب فرماتے فصیح اور شُستہ زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

مارچ ۱۹۶۶ء میں جب راقم الحروف کو ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے اہتمام

کی ذمے داری سپرد کی گئی، تو کم عمری اور نا تجربہ کاری کے سبب ضروری تھا کہ بزرگوں سے مشورے کرتا، اسی مقصد سے آپ کی خدمت میں راندیر حاضر ہوا، ''جامعہ حسینیہ'' کے کتب خانے میں تشریف فرما تھے، محبت سے بٹھایا۔ بندے نے عرض کیا کہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے؛ مگر کمیٹی والوں کا اصرار ہے کہ تجھے ہی یہ کام کرنا ہے۔ فرمانے لگے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کام کام کو سکھلاتا ہے، جیسے جیسے کام کرتے جاؤ گے تجربات ہوتے جائیں گے۔ مشکل پیش آئے تو مشورہ کرتے رہو؛ البتہ ایک بات یاد رکھنا کہ ''چلتے بیل کو گودے مت مارنا'' مطلب یہ تھا کہ مدرسے میں جو اساتذہ کام کر رہے ہیں، خواہ مخواہ ان کے کام میں کیڑے نکال کر پیچھے نہ پڑنا، خردہ گیری سے پرہیز کرنا، مہتمم صاحبان کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑ کرنے میں فائدہ نہیں ہوتا، چشم پوشی بھی کرنی پڑتی ہے۔

طلبا کی تربیت کا بہت زیادہ خَیال فرماتے تھے، ایک مرتبہ ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' میں درمیانی سال میں تشریف لائے، درس گاہوں کے باہر گزرتے ہوئے کبھی کبھی ٹھہر جاتے اور طلبا پر نظر دوڑاتے اور پھر آگے تشریف لے جاتے۔ مجھے خَیال آیا کہ نہ معلوم حضرت مولانا کیا چیز دیکھ رہے ہیں؛ مگر جب درس گاہوں سے گزر کر دفتر میں تشریف لائے تو فرمایا کہ ''آپ لوگوں نے کورس میں انگریزی زبان بھی رکھی ہے، تو میں یہ دیکھ رہا تھا کہ طلبا میں انگریزی زبان کا اثر تو نہیں آرہا ہے، ان کے بالوں کی تراش اور لباس میں فرق تو نہیں آگیا، الحمد للہ! ایسا نہیں ہوا ہے، پھر تاکید فرمائی کہ زبان سکھلائیں؛ مگر انگریزی تہذیب نہ آنے پائے''۔

ایک مرتبہ ہندوستان کے ایک معروف ادارے کے جلسے میں شرکت کرنے کا حضرت کے ساتھ ہی اتفاق ہوا، وہاں تین روز قیام رہا، واپسی میں ''دار العلوم دیوبند'' بھی جانا ہوا، مولانا محمد سعید صاحب کے فرزند (۱) وہاں زیرِ تعلیم تھے۔

مولانا کے صاحبزادہ سلمہٗ نے چائے پر مدعو کیا، وہاں گجرات کے طلبا اور ہم سفر علما جمع تھے، مولانا نے فرمایا کہ ہم جس ادارے سے آرہے ہیں وہاں اور یہاں آپ کو کچھ فرق محسوس ہورہا ہے؟ ہم خاموش رہے، فرمانے لگے کہ ''دار العلوم دیوبند'' کے طلبا یہاں ملتے ہیں فوراً ابتدا بالسلام کرتے ہیں، مغرب کے بعد نو درہ طلبا سے بھر جاتا ہے، مسجد میں جماعت سے پہلے دو تین صفیں پُر ہوجاتی ہیں، ہمارے بزرگوں کے اثرات نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں، فرمایا بھائی دیوبند، دیوبند ہے۔

مولانا کا ترمذی شریف کا درس بھی بہت مقبول تھا، طلبا میں خطابت کی صلاحیت اجاگر کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔ فرماتے تھے ''ہمارے طلبا جب فارغ

---

(۱) **حضرت مولانا محمود شبیر بن مولانا محمد سعید راندیری صاحب زیدت معالیہ:** فاضل و حال مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر۔ ۲۳/جون ۱۹۵۲ء میں راندیر کے مشہور علمی خاندان میں ولادت ہوئی، جامعہ حسینیہ سے ۱۹۷۴ء میں فراغت حاصل فرمائی، اس کے بعد ۷۵،۱۹۷۴ء میں ''دار العلوم دیوبند'' میں کسبِ فیض فرمایا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا احمد اللہ صاحب راندیری، علامہ شمس الدین افغانی، مولانا محمد سعید صاحب راندیری، مولانا غلام رسول صاحب بورسدی، مولانا ہاشم صاحب بخاری، مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی، مولانا معراج الحق صاحب، ملا حسین بہاری رحمہم اللہ وغیرہ فضلائے روزگار ہیں۔ نومبر ۱۹۷۶ء سے ''جامعہ حسینیہ'' میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سابق مہتمم مولانا اسماعیل صاحب موٹاؒ کی وفات کے بعد مسندِ اہتمام کی زینت ہیں۔ خاموش طبع، تحقیق پسند، نرم خو، نہایت منکسر المزاج وعبادت گزار اور بزرگوں کی یادگار ہیں۔ العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے، اور یہ آبشارِ علم وعمل اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری وساری رہے۔ آمین!

ہوکر عوام میں جائیں گے تو دو چیزوں کی ہر جگہ ضرورت ہوگی: امامت کی عادت اور تقریر۔ عامۃ الناس یہ نہیں جانتے کہ اس نے ''ہدایہ'' کس طرح پڑھی، ادبِ عربی میں اس کا کیا مقام ہے، وہ تو نماز پڑھانے اور تقریر کرنے کو ہی معیارِ فضیلت سمجھتے ہیں؛ اس لیے علمی استعداد کے ساتھ ساتھ ان دونوں چیزوں کی مشق نہایت ضروری ہے''۔

مولانا مرحوم خود وسیع المطالعہ عالم تھے؛ اس لیے جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی مولانا سے استفادہ کرتے تھے اور ان کو تشفی بخش جواب دیتے تھے۔ طبیعت میں نہایت اعتدال تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ استاذ بھی تھے اور ان سے بیعت کا تعلق بھی تھا؛ مگر فخر الاماثل قاری محمد طیب صاحبؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ سے بھی عقیدت واحترام کا تعلق برابر قائم رکھا تھا، اور طلبا کو بھی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

افسوس! کہ علم وعمل، زہد وتقویٰ کا یہ آفتاب ۶/نومبر ۱۹۷۶ء کے روز غروب ہوگیا۔ **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!**

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوریؒ

(ولادت: ۱۲۹۲ھ-۱۸۷۵ء بمقام شاہ جہاں پور
وفات: ۱۳،۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ-۳۱؍دسمبر ۱۹۵۲ء)

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ برِ صغیر کے مفتیٔ اعظم کی حیثیت سے معروف ہیں، اپنی اعلیٰ استعداد، سیاسی سوجھ بوجھ اور عزم وہمت کے سبب علمی اور سیاسی حلقوں میں ہمیشہ احترام کی نظروں سے دیکھے گئے۔ فتویٰ نویسی میں کمال حاصل تھا، ''مدرسہ امینیہ دہلی'' کو بامِ عروج تک پہنچایا اور ''جمعیۃ علمائے ہند'' کی برسوں تک صدارت کی، ''دارالعلوم دیوبند'' اور دیگر مؤقر اداروں کی سرپرستی فرمائی، بچوں کے لیے ''تعلیم الاسلام'' چہار حصے تیار فرما کر امت پر احسان فرمایا۔

راقم الحروف ۱۹۴۹ء میں جب ''دارالعلوم دیوبند'' داخل ہوا، تو شوریٰ کے اجلاس میں جو مؤقر علما و اراکین تشریف لائے ان میں حضرت مفتیٔ اعظم بھی تھے۔ بندہ احاطۂ مولسری میں کھڑا تھا اور علما کی یہ جماعت دفترِ اہتمام کی طرف جارہی تھی، حضرت مفتیٔ اعظم سب سے آگے تھے اور ان کے پیچھے سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب اور دیگر علما تھے۔ مفتی صاحب نہایت سادہ لباس میں، قد بھی چھوٹا، رنگ سانولا، بندے نے خیال کیا کہ کوئی خادم ہے جو رہنمائی کے لیے آگے چل رہا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ عربی رومال ڈالے ہوئے، دراز قد، عمدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، میری نظر ان پر جم گئی۔ قریب میں ایک طالبِ علم کھڑے تھے انہوں نے سُوال کیا: کیا یہ آگے جانے والے شخص کو جانتے ہو؟ بندے نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا کہ یہی تو مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب ہیں۔ بندہ حیرت زدہ ہوگیا کہ مفتیٔ اعظم اور یہ سادگی، اللہ اکبر! جب سب اراکین دفترِ اہتمام میں داخل ہوگئے تو ناچیز بھی ادھر گیا اور باہر کواڑ کے پاس کھڑے ہوکر مفتی صاحب کو دیکھا، مفتی صاحب صدر نشین تھے اور تمام علما ان کے سامنے حلقہ بنائے تشریف فرما تھے۔

پھر ظہر کی نماز کے وقت ''دارالعلوم'' کی مسجدِ فوقانی میں مفتی صاحب جماعت میں شامل ہوئے، ناچیز بھی حاضر ہوا اور نوافل سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کی جوتیاں اٹھا کر باہر رکھنا چاہا، مفتی صاحب نے بہت تیزی سے میرے ہاتھ میں سے جوتیاں لیتے ہوئے فرمایا ''ارے بھائی! یہ میری جوتیاں ہیں اسے کہاں لے جاتے ہو؟'' میں گھبرا گیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا، مفتی صاحب مسکرا کر آگے تشریف لے گئے۔ پھر ان کے ہمراہ اور کسی عالم نے فرمایا کہ مفتی صاحب اپنی جوتیاں دوسرے سے اٹھوانا پسند نہیں فرماتے اور تم سے یہ بات مزاحاً فرمائی ہے۔ بس حضرت مفتیٔ اعظمؒ سے یہی اول وآخر ملاقات تھی، اس کے بعد نہ کبھی ملاقات ہوئی اور نہ کسی مجلس میں گفتگو سننے کا موقع ملا۔

''دارالعلوم'' چھوڑ کر جب دوبارہ ڈابھیل آ گئے اُسی زمانے میں مفتیٔ اعظمؒ کی وفات ہوئی، اور مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ

نے پُر درد تعزیتی تقریر فرمائی جس میں مفتی صاحب کے علمی اور عملی کمالات کا ذکر فرمایا، تو دل تڑپ کے رہ گیا کہ کیسے عظیم انسان کو پایا تھا؛ مگر استفادے سے محروم رہے۔ ”ما کل ما یتمنی المرء یدرکه (۱)“ البتہ مولانا احمد سعید دہلویؒ سے اس کے بعد پھر سملک ضلع سورت میں ملاقات ہوئی، وعظ سنا، مجالس میں حاضری نصیب ہوئی؛ نیز مرحوم رفیق یوسف نانا صاحبؒ کے مکان میں خدمت کا موقع بھی ملا۔ مولانا احمد سعید صاحب سے جو اردو زبان سنی ویسی زبان بہت کم لوگوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ **رحمهم الله جميعا رحمة واسعة !**

☆☆☆☆☆

یہ خدّامِ شریعت ہیں جو مانندِ پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

(۱) دوسرا مصرع ہے: تجري الرياح بما لا تشتهي السفن (ديوان المتنبي)

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ

(ولادت: ۱۳۱۴ھ-۱۸۹۶ء بمقام دیوبند، وفات: ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ-۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ”دار العلوم دیوبند“ کے ممتاز فضلا اور اصحابِ افتا میں بلند مقام کے حامل تھے، درس وتدریس، افتا اور تصنیف کے ساتھ سیاسی کاموں میں بھی مصروف رہتے تھے۔

راقم الحروف ۱۹۵۹ء میں جب ”دار العلوم دیوبند“ حاضر ہوا تو مفتی صاحب ہندوستان چھوڑ کر پاکستان کو وطن بنا چکے تھے؛ مگر ہماری دیوبند کی موجودگی میں حضرتؒ کا دیوبند کا سفر ہوا، ہم لوگوں کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو غالباً مولانا خورشید صاحب کے دولت کدے پر عصر کے بعد حاضر ہوئے اور شرفِ زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے۔ ناچیز نے جماعتِ اسلامی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں سُوال کیا، تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ مودودی صاحب نے کئی جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں؛ مگر ہمارے حلقے کی طرف سے اگر شدید مخالفت کے بجائے مل کر اصلاحِ حال کی سعی کی جاتی تو آدمی بہت کام کا تھا وغیرہ۔ اس وقت تک مودودی صاحب کی ”خلافت وملوکیت“ وغیرہ کتابیں بھی شائع نہیں ہوئی تھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کی رائے بھی کافی بدل گئی تھی۔ **والعلم عند الله!**

اس کے بعد غالباً ۱۹۵۹ء میں حضرت مفتی صاحبؒ سے حج کے موقع پر منیٰ میں ملاقات ہوئی، حج کے بعض مسائل میں الجھن تھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت

میں حاضر ہوکر دریافت کیا تو حضرت نے مسئلہ سمجھایا۔ پورا کمرہ ملاقاتیوں سے بھرا ہوا تھا، حضرت حج کے مسائل اور فضائل بیان فرماتے تھے اور لوگ مستفید ہو رہے تھے، مغرب سے کچھ پہلے ہم نے رخصتی ملاقات کی اور دعا کی درخواست کر کے خیمے میں واپس آ گئے، اس کے بعد پھر ملاقات کا موقع نصیب نہ ہوسکا؛ البتہ ریڈیو سے تفسیر سننے اور اس کی طباعت کے بعد اس سے استفادہ کرنے کی توفیق ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کی تفسیر کے علاوہ دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا، حضرتؒ کی کتابوں میں صاف اور سیدھی عبارت ہوتی ہے، اور ہمارے جیسے کم استعداد طالبِ علموں کے لیے بھی سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تفسیر کو زبردست مقبولیت عطا فرمائی ہے، آج پاک و ہند کے علاوہ افریقہ، یورپ، امریکہ، کینیڈا، ہر جگہ اہلِ علم کے گھروں میں یہ تفسیر نظر آتی ہے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد ''دار العلوم کراچی'' میں حاضری بھی ہوئی جو آپ ہی کا لگایا ہوا باغ ہے، جو آج پاکستان کی عظیم الشان اور شہرۂ آفاق درس گاہ بن چکی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے فرزندانِ گرامی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ سے بھی کینیڈا میں شرفِ ملاقات حاصل ہوا، آپ کے پُر اثر وعظ سنے، بفیلو (امریکہ) کے سفر میں ساتھ رہنے کی سعادت ملی۔ نیز حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ سے بھی کراچی اور کینیڈا اور ایک بار لندن میں ملاقات ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں فاضل فرزندانِ گرامی کو علمی اور دینی بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تحریرات سے ہزاروں انسانوں کے ساتھ راقم الحروف نے بھی کافی استفادہ کیا ہے اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ **جزاھم اللّٰہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء!**

حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوریؒ

(ولادت: ۱۸۸۰ء، بمقام عنایت آباد، صوبہ سرحد پاکستان)

حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوریؒ جید الاستعداد عالم اور تجربہ کار مدرس تھے۔ آپ نے ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل''، ''جامعہ حسینیہ راندیر'' اور بعض دیگر مدارس میں بھی مَسندِ تدریس کو زینت بخشی تھی۔

۱۹۵۹ء میں بندہ جب مولوی عبد الرحمٰن ابن مولوی اسماعیل گارڈی سلمہٗ اور ان کے بھائی حبیب الرحمٰن سلمہٗ کے ساتھ ''دار العلوم دیوبند'' میں مقیم تھا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ کا قیام بھی ''دار العلوم'' کے قریب ''چھتّہ مسجد'' کے ایک کمرے میں تھا، ناچیز وقتاً فوقتاً خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ پھر حضرت سے ''مشکاۃ المصابیح'' کا مقدمہ پڑھنے کا خیال ہوا، درخواست پیش کی گئی، حضرت نے منظور فرمایا، اور درس شروع ہوگیا۔ عبارت سنتے اور تقریر شروع فرما دیتے تھے۔ کبھی کبھی طبیعت میں نَشاط ہوتا تو سبق کے بعد مٹھائی منگواتے، چائے بنواتے اور شوق سے کھلاتے۔

حضرت کے مزاج میں حِدّت تھی اور بالکل آزاد طبیعت پائی تھی، اس لیے مستقل قیام کہیں نہیں رہا۔

آخری زندگی سورت میں گزاری۔

چوک کی ''جامع مسجد'' کے حوض کے تخت پر معمولی بستر ڈالے رہتے تھے، سورت کے اہلِ خیر حضرات کھانے پینے کا خیال کرتے تھے۔

بندہ ''دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر'' میں خدمت انجام دے رہا تھا۔ جب بھی کسی ضرورت سے سورت کا سفر ہوتا، وقت فارغ کر کے حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا۔

ایک دن ارشاد فرمایا: مولوی صاحب! جو طلبا ''نورالایضاح'' پڑھتے ہیں، اُن کو اُن کے اسباق میں سے سُوالات لکھوا کر جواب طلب کرو۔ مثلاً پانی کا بیان پڑھایا تو سُوال لکھو کہ پانی کی کتنی قسمیں ہیں؟ کنویں میں کبوتر گر کر مر جائے تو کتنے ڈول پانی نکالنا پڑے گا؟ وغیرہ۔ پھر ''قدوری'' میں اور ''شرحِ وقایہ'' اور ''ہدایہ'' میں اسی طرح مشق جاری رکھو، انشاء اللہ فراغت تک آدھا مفتی بن جائے گا۔

اس طرح بہت قیمتی باتیں سننے کو ملتیں۔ کاش! کہ یہ ملفوظات لکھ لیے جاتے تو بہت تجربے کی باتیں محفوظ ہو جاتیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

(ولادت: ۱۳۱۹ھ-۱۹۰۱ء بمقام مئو ضلع اعظم گڈھ

وفات: ۱۰/رمضان ۱۴۱۲ھ-۱۶/مارچ ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ یوپی کے باشندے اور ''دارالعلوم دیوبند'' کے ممتاز فضلا میں سے تھے۔ خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے نامور شاگرد اور علمِ حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔

ہندو پاک اور عالمِ اسلامی کے علمی حلقوں میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، ان کی علمی خدمات کا شہرہ مصر وشام و دیگر بلادِ عربیہ میں پہنچ چکا تھا۔

بندہ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۵ء ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل'' میں متوسطات کا مدرس تھا، مہتممِ جامعہ مولانا محمد سعید بزرگؒ نے ان کو مدعو فرمایا، حضرت تشریف لائے اور دو روز جامعہ میں قیام فرمایا۔

اساتذہ اور طلبا کے لیے ملاقات کا نادر موقع ہاتھ لگ گیا، عصر کے بعد ''جامعہ'' کے دارالاساتذہ کے باہر عصرانہ کی مجلس منعقد ہوئی جس میں ''جامعہ'' کے اکثر اساتذہ شریک ہوئے۔

ناچیز بھی اس مجلس میں شریک تھا، حضرت سے ادب سے سُوال کیا کہ حضرت! علمِ حدیث میں مہارت کے لیے کتنے سال درکار ہیں؟ حضرت نے خاص

انداز سے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''مولوی صاحب! آپ مہارت کی بات کرتے ہیں، ہم نے اپنی زندگی کھپادی تب کچھ شُد بُد پیدا ہوئی ہے؛ اور اب کوئی مخطوطہ دیکھتا ہوں تو کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہاں یہ لفظ نہیں ہوگا، پھر جب دوسرے مخطوطے سے تقابل ہوتا ہے تو صحیح لفظ مل جاتا ہے''۔

علمِ حدیث میں حضرت کی گہری واقفیت کا اعتراف علمائے مصر نے بھی کیا ہے۔ حضرت سے یہ پہلی ملاقات تھی، اس کے بعد ''دارالعلوم دیوبند'' اور بعض دیگر جگہوں پر ملاقات کا موقع ملتا رہا۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' میں اساتذۂ حدیث کی ضرورت ہوئی تو بندہ مئو پہنچا، اور حضرت سے کسی قابل استاذ کے بارے میں مشورہ کیا، حضرت نے مولانا زین العابدینؒ(۱) کے بارے میں مشورہ دیا۔ موصوف اس زمانے میں سرائے میر میں علمِ حدیث کے استاذ تھے؛ ناچیز سرائے میر پہنچا، صبح ملاقات ہوئی؛ مگر مولانا نے

(۱) **مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ:** محدث جلیل، فاضل دارالعلوم دیوبند، مُجاز حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ، بانی شعبۂ تخصص فی الحدیث فی الہند، سابق استاذ حدیث وصدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور۔ اعظم گڈھ کے مردم خیز قصبہ ''پورہ معروف'' میں ۱۳۵۱ھ میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی کے مدرسہ ''مدرسہ معروفیہ'' اور ''احیاء العلوم'' مبارکپور میں حاصل فرمائی، پھر ''دارالعلوم دیوبند'' جاکر ۱۳۷۲ھ میں دورۂ حدیث میں اول نمبر سے کامیابی حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مدنیؒ، علامہ بلیاویؒ، حضرت شیخ الادبؒ جیسے نامور علما ہیں۔ آپ کے رفقا میں مولانا انظر شاہ کشمیریؒ ومولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ ہیں۔ فراغت کے بعد ''دارالعلوم چھاپی''، ''مظہر العلوم بنارس'' اور ''مدرسۃ الاصلاح سرائے میر'' وغیرہ مدارس میں خدمات انجام دیں، اور عموماً شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۴۱۵ھ سے ''مظاہر علوم'' میں صدر شعبۂ تخصص واستاذ حدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ التعلیقات السنیۃ علی شرح العقائد النسفیۃ''، ''تحقیق رسالۃ الاوائل وکتاب المغنی للعلامہ فتنیؒ'' وغیرہ قابل قدر تصنیفی وتحقیقی کارنامے یادگار چھوڑے۔ رجالِ حدیث سے آپ کو کافی مناسبت تھی۔ افسوس! کہ ۱۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ-۲۸/ اپریل ۲۰۱۳ء یک شنبہ کو واصل بحق ہوگئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

معذرت فرمائی؛ اس لیے کہ سرائے میر کے ایک استاذ چند روز پہلے ہی مستعفی ہوکر حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔

مولانا نے فرمایا کہ اگر میں بھی چھوڑ دوں گا تو یہاں کے طلبا کا بڑا نقصان ہوگا؛ عذر معقول تھا، اس لیے بندے نے اصرار مناسب نہیں سمجھا اور واپس مئو آگیا۔

مولانا زین العابدین صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نظام الدین حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ کو اپنا سرپرست مقرر کرچکا ہوں، ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں۔ مولانا کی اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ استاذِ حدیث شریف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑوں کے تابع بنادیا ہے، جو کم از کم اس دورِ اخیر میں کم یاب چیز ہے۔

بہر حال دوبارہ مئو ناتھ حاضر ہوکر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو روئداد سنائی تو حضرت نے فرمایا مالیگاؤں میں مولانا سلیمان خیرآبادی(۱) ہیں، مجھے

(۱) **مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی خیرآبادیؒ:** فاضل مدرسہ مفتاح العلوم مئو، تلمیذ رشید ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، مُجاز بیعت حضرت مرشد امت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ، وشیخ الحدیث اول جامعہ اکل کوا ومشہور مناظر۔ شوال ۱۳۳۶ھ- جولائی ۱۹۱۸ء میں اپنے وطن خیرآباد ضلع اعظم گڈھ (مئو) میں ولادت ہوئی۔ مدرسہ مفتاح العلوم اور مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۹۳۹ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ اور مولانا محمد ایوب صاحب وغیرہ اجلۂ علما ہیں۔ مدرسہ مدینۃ العلوم رسولی ضلع بارہ بنکی، مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں، دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر اور جامعہ اکل کوا میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور عموماً درس بخاری دیتے رہے۔ فلاحِ دارین میں آپ نے ۱۳۹۳،۹۴ھ-۷۴،۱۹۷۳ء میں ایک سال قیام فرماکر حسامی، مشکاۃ، نخبۃ الفکر، شرح وقایہ، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کتابوں کی تدریس فرمائی۔ افسوس! کہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۹۹ء- ۱۹/ رمضان ۱۴۲۱ھ بروز سہ شنبہ رحلت فرمائی، اور اب شہر ناندیڑ کے ''گنج شہیداں'' میں محوِ استراحت ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

ان پر بھی اعتماد ہے، اگر ان کو مطمئن کر کے تیار کر سکو تو وہ کام کے آدمی ہیں؛ مگر چوں کہ میں نے ہی ان کو وہاں بھیجا ہے، اس لیے میں براہِ راست ان کو نہیں لکھوں گا، اگر آپ ان کو تیار کرلیں تو مجھے اعتراض نہیں۔ چناں چہ مالیگاؤں کا راستہ پکڑا اور مولانا سلیمان صاحب کو اصرار کر کے ترکیسر کے لیے آمادہ کرلیا۔ مولانا سلیمان بہت قابل، مرنجاں مرنج اور خوش مزاج شخص تھے، ایک سال ترکیسر رہے، پھر بعض گھریلو حالات سے مجبور ہو کر دوبارہ مالیگاؤں تشریف لے گئے۔

مالیگاؤں سے مولانا غلام محمد وستانوی فلاحی سلمہ ان کو اکل کوا ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم'' کے شیخ الحدیث کے منصب پر لے گئے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی مردم شناس نگاہ نے جن علما کے بارے میں اچھی رائے قائم کی تھی وہ واقعی فنِ حدیث کی عظیم خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے ''مُصَنَّفِ عبدالرزاق'' اور ''مُسنَدِ حمیدی'' پر بھی تحقیق وتعلیق کا اہم کام انجام دیا ہے جو یقیناً علمی دنیا پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا احسانِ عظیم ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں بھی مولانا رحمہ اللہ کی تالیفات معروف ومقبول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے۔ آمین!

فضیلۃ الشیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاوی مصری

(وفات: ۱۹۷۸ء)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ اہتمام میں بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں مصر کے مرحوم صدر کرنل انور السادات ہندوستان کے سفر پر تشریف لائے تھے۔ ''دارالعلوم دیوبند'' کی دعوت پر ''دارالعلوم'' کی ملاقات کا بھی پروگرام بنایا گیا، اس موقع پر ان کو شاندار استقبالیہ دیا گیا، اور ''دارالعلوم'' کی خدمات سے متعارف کرایا گیا۔ خطبۂ استقبالیہ میں ''دارالعلوم'' کے لیے ''جامعہ ازہر'' سے عربی زبان وادب کی تدریس کے لیے اساتذہ بھیجنے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔

صدر انور الساداتؒ ''دارالعلوم'' کے اساتذہ وطلبا سے بہت متاثر ہوئے تھے، اور انہوں نے مصر سے دو استاذ ''جامعہ ازہر'' کی طرف سے مبعوث بنا کر بھیجے: ایک شیخ عبدالمنعم النمرؒ اور دوسرے شیخ عبدالعال العَقَبَاویؒ(۱)۔ اِن دونوں فضلا کی آمد سے ''دارالعلوم'' کے طلبا نے خوب فائدہ اٹھایا، یہ دونوں مؤقر اساتذہ دو سال دیوبند میں مقیم رہے اور پھر مصر چلے گئے۔

---

(۱) مذکورہ حضرات کی آمد ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶ء میں ہوئی تھی اور دو سال تک ان کا قیام رہا تھا۔ صدر انور السادات کی تشریف آوری ۱۳۷۳ھ میں ہوئی تھی، اسی موقع سے حضرت حکیم الاسلامؒ نے ازہر اور دارالعلوم کے مابین روابط قائم کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، جس کا پُر جوش خیر مقدم کرتے ہوئے اِن حضرات کی بعثت عمل میں آئی۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۳۳۸)

ان کی جگہ پھر ''جامعہ ازہر'' نے شیخ محمود عبدالوہاب محمود کو ''مبعوث الازہر'' کی حیثیت سے دیو بند بھیجا، بندہ اس زمانے میں مولانا اسماعیل گارڈیؒ (جوہانسبرگ) کے فرزند مولوی عبدالرحمٰن گارڈی سلمہٗ کی تعلیمی اور تربیتی نگرانی کے لیے ''دارالعلوم'' میں مقیم تھا، چناں چہ اساتذۂ دارالعلوم سے علمی استفادہ کا بہترین موقع مُیَسَّر ہوا۔

شیخ محمود عبدالوہاب محمودؒ سے بھی تعلقات پیدا ہوئے اور روزانہ ان کے درس میں حاضر ہوتا رہا۔ شیخ محمودؒ بہت خوش اخلاق اور مُتَدَیِّن استاذ تھے، طلبا سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، اور عربی کے اسباق پڑھاتے ہوئے عربی تلفظ کی درستگی اور حسنِ ادائیگی کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔

شرکائے درس میں سے ہر ایک سے درس سنتے تھے اور تلفظ کی اصلاح اور معانی کی وضاحت فرماتے۔ سبق شروع کرنے سے پہلے فرماتے تھے ''**قلنا بالأمس**'' اور گذشتہ روز کے سبق کا خلاصہ بیان کر دیتے تھے۔

چوں کہ بندہ مولوی عبدالرحمٰن گارڈی سلمہ کے ساتھ مقیم تھا، ''دارالعلوم'' میں باقاعدہ داخلہ نہیں تھا؛ اس لیے شیخ دیو بند اور بیرونِ دیو بند سفر میں ناچیز کو ساتھ لے جاتے تھے، اس خصوصی رَفاقت سے بندے کو بہت فائدہ پہنچا، عربی زبان کی نئی نئی تعبیرات سننے کو ملتی تھیں، اور ہماری تعبیر کی غلطی کی اصلاح بھی ہوتی تھی۔

شیخ کی صحبت میں مسلسل حاضری سے عالمِ عربی خصوصاً مصر کے ادبا اور ان کی کتابوں سے واقفیت ہوئی، کئی عمدہ کتابیں شیخ کے واسطے سے پڑھنے کو ملیں، جن سے جدید عربی اسلوب سے واقفیت ہوئی۔

شیخ محمودؒ بازار پھل بسکٹ وغیرہ خریدنے کے لیے ہم کو لے جاتے؛ مگر ہمیشہ سامان خود اٹھاتے اور باوجود شدید اصرار کے ہم کو اٹھانے کے لیے نہیں دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ''**صاحب المال أحق به**''، ہم کو اس طرح خالی ہاتھ شیخ کے ہمراہ گزرتے ہوئے بہت شرمندگی ہوتی تھی۔

شیخ کو معاملات میں بھی بہت صاف اور اصول پسند پایا۔ ایک مرتبہ شیخ کا ماہانہ وظیفہ جو ''پنجاب بینک'' کے ذریعے مصر سے آتا تھا، وقت پر نہیں آیا، شیخ بذاتِ خود کمرے پر تشریف لائے اور دوسو روپے بطورِ قرض طلب کیے۔ ہم نے فوراً پیش کر دیے تو شیخ نے کاغذ لکھ کر دیا کہ آج میں نے عبداللہ بن اسماعیل سے دوسو روپے بطور قرض پندرہ دن کی مدت کے لیے حاصل کیے۔

بندے نے عرض کیا: شیخ اس کی ضرورت نہیں، تو فوراً فرمانے لگے: **هــذا حكم الله أما قرأت! إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه** –(۱) اور وہ کاغذ مجھے تھما دیا۔ چند روز میں جب ان کی رقم آ گئی تو فوراً تشریف لائے اور فرمانے لگے ''**هات الورقة**'' اس کو پھاڑ کر پھینک دیا اور دوسو روپے واپس کر دیئے۔

ایک مرتبہ شیخ کی آنکھ میں آشوبِ چشم کی وجہ سے کافی تکلیف ہونے لگی تو ہم ان کو سہارن پور لے گئے۔ ایک آنکھ کے ڈاکٹر کے مطب میں داخل ہوئے، اور ان سے کہا کہ یہ ہمارے استاذ ہیں، مصر سے آئے ہیں ان کا معاینہ فرما کر دوا عنایت فرماویں۔ ڈاکٹر نے شیخ کو لٹایا اور گرم پانی سے روئی کا پھایہ تر کر کے آنکھ صاف کرنے لگا۔ آنکھ کی صفائی کے بعد فوراً اس نے آنکھ میں دوا ڈالنے کی کوشش کی تو شیخ زور سے

(۱) البقرة، آیت ۲۸۲

چیخ کر بیٹھ گئے، شیخ بہت لحیم شحیم تھے، اس طرح زور سے چیخنے سے ڈاکٹر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ شیخ نے فرمایا: **لا یا دکتور! عيني ساخنة** – ڈاکٹر! ابھی میری آنکھ گرم ہے؛ اس لیے ابھی ٹھنڈی دوا نہ ڈال۔

میں نے ڈاکٹر کو شیخ کی بات سمجھائی تو وہ رک گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد دوا ڈالی، جب ہم اس کے مطب سے باہر نکلے تو مجھ سے فرمانے لگے: **من قال لك إنه دكتور؟ هو لا يعرف شيئا بسيطا!** ہم خاموشی سے شیخ کے الفاظ سنتے رہے۔

شیخ قرآنِ مجید سے عجیب شغف رکھتے تھے، جید حافظ تھے، اور جب بھی فرصت ملتی فوراً تلاوت شروع فرما دیتے تھے۔ آواز میں بہت سوز تھا جب بھی تلاوت فرماتے طبیعت متاثر ہو جاتی۔ شیخ عبدالتواب مصری جو ''منظر الاسلام بریلی'' میں ازہر کی طرف سے مبعوث تھے، اور اکثر شیخ کے پاس دیوبند آتے تھے، ایک دن فرمانے لگے: **شيخ محمود يقرأ القرآن بقلبه.**

دہلی، سہارن پور وغیرہ مختلف علاقوں کے سفر کرتے ہوئے ریل گاڑی میں بھی تلاوت جاری رہتی تھی، غیر مسلم مسافرین بھی خاموشی سے سنتے رہتے تھے۔

بہر حال شیخ کے ساتھ دو سال سفر وحضر میں رہنے کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ پہنچا، اور شیخ کو بھی بندے کے ساتھ بہت محبت کا تعلق رہا۔ دیوبند سے واپسی کے بعد بھی شیخ کے گرامی نامے آتے رہے، افسوس ہے کہ بزرگوں کے خطوط کا جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ کسی نے اٹھا لیا، اُسی مجموعہ میں شیخ کے عربی خطوط تھے۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون!** اللہ تعالیٰ شیخ کے درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

(ولادت: ۱۶/ شعبان ۱۳۱۰ھ – ۱۶/ مارچ ۱۸۹۲ء بمقام دریاباد

وفات: ۱۳۹۹ھ – ۱۹۷۸ء)

غالباً ۱۹۵۹ء میں ''دارالعلوم ندوۃ العلما'' میں مقیم افریقی طلبا نے گرمی کی تعطیلات میں افریقی طلبا کا جلسہ کیا، دیوبند اور دیگر مدارس میں پڑھنے والے افریقی طلبا کو بھی اس میں شرکت کی دعوت ملی؛ چناں چہ ''دارالعلوم دیوبند'' سے بھی مولانا ابراہیم میاں، مولوی یوسف کران، مولوی ابراہیم بخش اور عبدالرحمٰن گارڈی سلمہ وغیرہ طلبا لکھنؤ پہنچے۔ ہم نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر ''ندوۃ العلما'' کے کئی اساتذہ سے ملاقات کی، اور ''ندوہ'' کے کتب خانہ سے بھی استفادہ کیا۔

''ندوہ'' میں قیام کے دوران اطلاع ملی کہ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنے وطن دریاباد سے لکھنؤ تشریف لائے ہیں، کچہری روڈ پر ''صدق جدید'' کے ناظم مولوی عبدالقوی صاحب کے مکان میں مقیم ہیں۔

ہم تقریباً ۱۹۵۲ء سے ''صدق'' کا مطالعہ کرتے تھے، اور مولانا دریابادی کے اچھوتے انداز سے بہت متاثر تھے۔ مولانا کی کئی کتابیں بھی نظر سے گزر چکی تھیں؛ اس لیے مولانا سے ملاقات کا دل میں شدید اشتیاق تھا؛ مگر مولانا سے ملاقات کے لیے وقت اور اجازت لینا ضروری تھا، اس لیے ہم نے مولانا ابوالعرفان صاحب ندویؒ – جو اُس زمانے میں ''ندوہ'' کے بہت مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے – ان

سے ملاقات کر کے مولانا دریابادی سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کی۔

مولانا ابوالعرفان صاحب نے ازراہِ عنایت بذریعہ فون مولانا دریابادیؒ سے عرض کیا کہ دیوبند سے چند افریقی طلبا مہمان آئے ہیں اور آں جناب سے ملاقات کے متمنی ہیں۔ مولانا عبدالماجد صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ صبح ۶؍بجے سے سوا بجے (۶:۱۵) تک وقت دیا جاسکتا ہے، اگر تین چار طالبِ علم ہیں تو چائے کا نظم ہوسکے گا اور زیادہ ہوں تو نہیں ہوسکتا۔

مولانا ابوالعرفان صاحب نے ہم لوگوں کو جواب سے مطلع کر کے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ صبح ۶؍بجے شہر پہنچ سکیں گے؟ ہم نے عرض کیا: ''انشاء اللہ ضرور وقت پر پہنچ جائیں گے، اور صرف ۴؍ساتھی ہوں گے، اور حضرت کے ساتھ چائے پی لیں گے''۔

چناں چہ ہم لوگ اگلے روز علی الصباح تیار ہو کر رکشا کے ذریعہ حضرت کی قیام گاہ پر پہنچے، حکیم عبدالقوی صاحب منیجر ''صدق جدید'' سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا: ابھی ۶ بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں، اس لیے تھوڑا انتظار کرلیں۔ ٹھیک ۶؍بجے کے قریب اوپر بلالئے گئے اور مولانا دریابادی دوسرے کمرے سے تشریف لائے، مولانا کے اوقات کا انضباط بہت معروف تھا اس دن تجربہ ہوگیا۔

سلام، دعا اور خیر خیریت کے بعد چند سُوالات پیش کئے اور مولانا دریابادی مختصر جواب دیتے رہے۔ مولانا بہت سادہ جبہ پہنے ہوئے تھے، سفید داڑھی اور سر پر لمبی ٹوپی۔ اپنے وقت کا اردو کا صاحبِ طرز ادیب اور ممتاز نقاد، اور اردو، انگریزی تفسیر کے مصنفِ شہیر کو دیکھ کر حیرت ہورہی تھی۔

اسی گفتگو کے درمیان چائے اور پوریاں بھی پیش کردی گئیں۔ ٹھیک ۶:۱۵ منٹ پر ہم نے واپسی کی اجازت چاہتے ہوئے مصافحہ کیا۔

جب ہم دیوبند پہنچے تو مولانا ابراہیم میاں کے نام کارڈ آیا اور حضرت نے ہماری وقت کی پابندی اور مناسب انداز کی گفتگو پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ برصغیر کے معروف مصنف، حضرت تھانویؒ کے مسترشد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اور ان کی دعائیں ملیں۔ مولانا دریابادیؒ کی تالیفات میں حکیم الامت نقوش وتاثرات، محمد علی کی ذاتی ڈائری، سفرنامۂ حجاز، اکبر میری نظر میں، میری پسندیدہ کتابیں ہیں۔

تین چار بار ''صدق'' میں مراسلہ بھی بھیجتا رہا، مولانا نے بطور ہمت افزائی اس کو چھاپا۔ ''صدق جدید'' کا اسلوبِ نگارش منفرد اور بہت ہی دل کو بھانے والا تھا، برِصغیر میں اہلِ علم ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے، اس کی سچی باتوں اور شذرات کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوتا تھا۔ سورت سے شائع ہونے والا ''مسلم گجرات'' ہفتہ وار اخبار پابندی سے ''صدق'' کی سچی باتیں گجراتی میں شائع کرتا تھا۔ ایسی نامور شخصیت کی ملاقات یقیناً باعثِ مسرت چیز تھی۔ مولانا عبدالماجد صاحب کی تفسیر ''تفسیر ماجدی'' اردو تفسیر میں بہت عمدہ اور مفید تفسیر ہے، مولانا کا کتبِ سابقہ توریت وانجیل اور ہندو مذہب کی کتابوں کا مطالعہ وسیع تھا؛ اس لیے تفسیر میں کئی جگہ مفید اشارے بھی ملتے ہیں۔

مولانا کی حیات وخدمات پر کافی مقالات چھپ چکے ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوگا، انشاء اللہ!

مصادرحواشی

اسمائے کتب	مصنف	ناشرمع سنہ طباعت
تاریخ جامعہ ڈابھیل	مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی	جامعہ ڈابھیل-۱۴۰۵ھ
تذکرۂ قاریانِ ہند	مرزا کرنل بسم اللہ بیگ	میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی
۱۹۳/علمائے گجرات	مولانا مختار احمد صاحب فاروقیؒ	حبیب بک ہاؤس احمد آباد
ذکرِ رفتگاں	مولانا سلمان منصور پوری	فرید بکڈپو دہلی-جنوری ۲۰۰۵ء
نقوشِ رفتگاں	مفتی تقی عثمانی صاحب	مکتبہ جاوید دیوبند، اگست ۱۹۹۴ء
نقوشِ بزرگاں	مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی	دارالنشر العلمیۃ ڈابھیل-۲۰۰۳ء
نقوشِ بسم اللہ	مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی	جامعۃ القرآۃ کفلیتہ-۲۰۱۱ء
گلشنِ کاپودرا	مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی	مجلس معارف کاپودرا
سورت سونے کی مورت	ایشورلال اچھارام بھائی ڈیسائی	ایشورلال اچھارام بھائی ڈیسائی-۱۹۵۸ء
پرانے چراغ	مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحبؒ	مکتبہ فردوس لکھنؤ-۲۰۱۰ء
مجموعۂ رسائل	مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ	مکتبہ دارالعلوم دیوبند-۱۴۳۱ھ
اکابرینِ گجرات: ج۴،۵	مولانا عبدالحی بن حکیم کفلیتویؒ	ادارہ اشاعت کتب کفلیتہ
تعزیتی تجاویز	حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب نروریؒ	غیر مطبوعہ

تذکرۃ المرغوب	مولانا مرغوب صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القراءت کفلیتہ
تذکرۂ اکابر	مولانا نظام الدین صاحب قاسمی	جامعہ اکل کوا-ستمبر ۲۰۱۲ء
سوانح حیات مولانا ابراہیم صاحب پالن پوریؒ	مولانا یونس سورتی/مولانا مسعود احمد کالیڑوی فلاحی	مجلس دعوت الحق یوکے-۲۰۱۳ء
سخنورانِ گجرات	سید ظہیر الدین صاحب مدنی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی-۱۹۹۹ء
سوانح حیات مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ	مولانا یونس صاحب سورتی	-۱۹۸۸ء
خودنوشت حیاتِ شمسی	مولانا سلیمان صاحب شمسیؒ	جامعہ اکل کوا-جنوری ۲۰۱۳ء
التعریف الموجز للجامعة الحسینیة براندیر		جامعہ حسینیہ راندیر
علمائے مظاہر علوم سہارن پور اوران کی علمی وتصنیفی خدمات	مولانا شاہد صاحب سہارن پوری	مکتبہ یادگار شیخ سہارن پور-۲۰۰۵ء
التحریر الوجیز فی ما یبتغیه المستجیز	شیخ زاہد الکوثری/ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ	اتحاد بکڈپو دیوبند
تذکرۂ فخر گجرات	مفتی رشید احمد فریدی صاحب	مدرسہ مفتاح العلوم تراج-۱۹۹۸ء
فضلائے جامعہ ڈابھیل	مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی	جامعہ ڈابھیل-۲۰۰۵ء
سوانح مولانا محمد حسن دوحدیؒ	مولانا یونس صاحب سورتی	مجلس دعوۃ الحق یوکے-۱۶/دسمبر ۲۰۰۸ء
چندروشن ستارے برما ملک میں	مولانا یونس صاحب سورتی	مجلس دعوۃ الحق یوکے-جولائی ۲۰۱۰ء

أضواء علی تاریخ الحرکة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربية في غجرات	مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی	مجلس معارف کاپودرا-۲۰۱۵ء
علما کی کہانی خودان کی زبانی	ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن	طیب اکیڈمی ملتان
پس مرگ زندہ	مولانا نورعالم صاحب خلیل امینی	ادارۂ علم وادب دیوبند-جون ۲۰۱۰ء
مختصر سوانح حیات حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ	مولانا یونس صاحب سورتی	مجلس دعوۃ الحق یوکے-نومبر ۲۰۱۳ء
معین القاری علی ختم صحیح البخاری	مولانا معین الدین مرادآبادیؒ/ مولانا فریدالدین گونڈوی	مرکز الشیخ معین الدین انکلیشور-۲۰۱۵ء
الاکابر	صوفی عبدالحمید خاں سواتی	مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ-جولائی ۲۰۰۷ء
المذکرة للمتخرجين من مظاهر علوم سهارنفور	مولانا محمد الیاس صاحب کرناٹکی	مکتبۃ التراث العلمی سہارنپور-۲۰۰۹ء

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتّقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی